

DATE LABEL

17 JUN 1975

30 JUL 1992

eg. *[Signature]*
16/11/92

Call No.....

Date.....

Account No.....

46394

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last stamped above.
An overdue charges of 6 nP. will be levied for each day. The book is kept beyond that day.

entry
2

مطبوعاتِ اُردو ثقافتِ اسلامیہ



اسلام کا لاطینی تعلیم

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی

★
ادارۃ ثقافتِ اسلامیہ، گلبرگ روڈ لاہور

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر، گلبرگ روڈ لاہور

۱۹۵۵ء

طبع دوم: ۱۰۰۰

ایک روپیہ چار آنے

ثقافت لاہور

پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے۔ اور ادارہ ثقافت اسلامیہ کا ترجمان ہے۔ اور اس کے عمومی مباحث یہ ہوتے ہیں:-

- * معاشرے کے حقیقی مسائل پر اصولی بحث۔
- * معاشرے کے بنیادی اقدار اور دین صحیح کی پیشکش۔
- * دین کی روشنی میں حیات جدیدہ کی تشکیل۔
- * وحدت فکر اور وحدت انسانی کی دعوت۔
- * اسلاف کے گراں قدر خدمات اور علمی سرمائے سے استفادہ۔
- * متفرقات ————— ختمات ۸۰ صفحات
- سالانہ چندہ آٹھ روپے قیمت فی پرچہ بارہ آنے

ماننے کا پتہ :- ادارہ ثقافت اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور

اے بعشق دیگران دل بانختہ
آہودے خویش را نشناختہ

اسلام کا نظریہ تعلیم

ڈاکٹر محمد رفیع الدین - ایم اے - پی، ایچ، ڈی

(سابقہ ادارہ ثقافت اسلامیہ)



مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ - لاہور

پاکستان

۱۹۵۵ء

مستغنیہ دہلی میں لکھی گئی ہے
مستغنیہ دہلی میں لکھی گئی ہے

مستغنیہ
مستغنیہ

مستغنیہ دہلی میں لکھی گئی ہے

297.7

مستغنیہ دہلی میں لکھی گئی ہے

297.7
MOOI

ALLAMA IQBAL LIBRARY
46394

مستغنیہ دہلی میں لکھی گئی ہے

J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc. No. 46394
Date 15.6.63

ST 01
Ru

55 P. 12 St = 82

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارے اکثر ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ مذہب کو تعلیم سے الگ کرنا چاہیے۔

مذہب اور تعلیم کا | اگر ان میں سے بعض علمی طور پر مذہب اور تعلیم کے اتحاد کی حمایت
افتراق مغربی تصور بھی کرتے ہیں۔ تو فقط اس خیال سے کہ مذہب کے معاملہ میں عوام
کے جذبات اور رجحانات کی مخالفت ممکن نہیں ورنہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اصولی طور پر مذہب
کا تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں۔ یقیناً انہوں نے اپنا یہ خیال مغرب کے ماہرین تعلیم سے مستعار
لیا ہے کیونکہ مغرب کے ماہرین تعلیم بھی اصولی طور پر مذہب اور تعلیم کو ایک دوسرے سے
الگ کھنے کے حامی ہیں۔ چنانچہ مغرب کے تعلیمی اداروں میں کہیں بھی مذہب نصاب
تعلیم کا جز نہیں۔

مغربی فکر کا تتبع ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ ہر مغربی تصور
غلط نہیں ہوتا۔ لیکن مدت سے ہماری یہ حالت ہے کہ ہم مغرب کے سیاسی اور علمی
تفوق سے مرعوب ہیں اور مغربی افکار و آراء کو تنقید اور تحقیق کے بغیر قبول کرنے کے
عادی ہو گئے ہیں۔ شاید اس میں ہمارا قصور بھی نہیں کیونکہ مغرب کے افکار و آراء ایک
سیلاب کی مانند ہیں جس میں دنیا کی ہر قوم بے اختیار بہتی چلی جا رہی ہے اور ہم بھی ان کے

ساتھ اس سیلاب میں بے اختیار رہے ہیں۔

لیکن تعلیم کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ ہمیں کچھ سنبھلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور سوچنا چاہیے۔ کہ اگر ہم اس ملک میں اپنا نظام تعلیم مرتب کرتے ہوئے مذہب کو تعلیم سے الگ رکھیں تو کیا خالص علمی اور عقلی نقطہ نظر سے ہمارے پاس اس کے لئے کوئی وجہ جواز بھی موجود ہوگی۔ یا ہم فقط مغربی حکماء کی تقلید کر رہے ہونگے۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ جوبات کہتے ہیں۔ صحیح ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم مذہب اور تعلیم کے افتراق کے اصول کو سارے نقصانات سے الگ ہو کر محض علم اور عقل کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ اصول قطعاً غلط ہے اور مغربی قومیں اسے فقط اپنے مخصوص حالات اور اپنی مخصوص تاریخ اور ذہنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی بنا پر ایک بلند پایہ علمی اصول سمجھنے اور عملی طور پر اسے اختیار کرنے کے لئے مجبور ہوئی ہیں۔

ہمارے یہ ماہرین تعلیم اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کہ فلسفہ تعلیم علم کا کوئی الگ شعبہ نہیں جو آزادانہ علمی تحقیق اور عقلی استدلال کی بنا پر قائم کیا گیا ہو۔ بلکہ وہ نظریہ تعلیم فطرت انسانی | فلسفہ اخلاق اور فلسفہ سیاست کی طرح ہمارے نظریہ انسان کے نظریہ کا ایک جز ہے | کائنات کا ایک عکس ہوتا ہے لوگ انسان اور کائنات کا جو تصور قائم کرتے ہیں۔ اپنا نظریہ تعلیم بھی اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی کا جو مقصد قرار دیتے ہیں اپنی تعلیم کا مقصد بھی وہی تجویز کرتے ہیں۔ ہر قوم کا نظریہ زندگی الگ ہوتا ہے لہذا ہر قوم کا نظریہ تعلیم بھی الگ ہوتا ہے۔ چونکہ نظریات عالم ہیت سے ہیں لہذا ضروری ہے کہ نظریات تعلیم بھی بہت سے ہوں۔ جس طرح نظریات زندگی سب صحیح نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان میں سے صرف ایک صحیح ہو سکتا ہے اور وہ وہی ہوگا۔ جو صحیح نظریہ زندگی پر مبنی ہوگا جب تک ہمارا نظریہ زندگی صحیح نہ ہو۔ ہم زندگی کا صحیح مقصد نہیں جان سکتے، اور نہ تعلیم کا صحیح مقصد معین کر سکتے ہیں۔ دراصل نظریہ زندگی۔ نظریہ کائنات۔ مقصد زندگی اور مقصد تعلیم ایک

ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ جسے ہم کبھی مختصر طور پر بیان دیتے ہیں اور کبھی مفصل طور پر اور ان کا عقد حقیقت انسان کے علم سے وابہ ہوتا ہے اگر ہم جان لیں کہ انسان کی فطرت کیا ہے تو گویا ہم نے جان لیا کہ صحیح نظریہ کائنات صحیح نظریہ زندگی صحیح مقصد زندگی یا صحیح مقصد تعلیم کیا ہے تو پھر کیا فطرت انسانی کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کے لئے ہم مغرب کے حکیموں اور دانوں کو اپنا رہنما بنائیں؟ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر مغرب کے سارے دانا اور حکیم اس معاملہ میں ہماری راہ نمائی کر سکیں تو ہم خوشی سے ان کی راہ نمائی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن وہ بیچارے تو خود شعلی میں کہ فطرت انسانی کے متعلق ان کی واقفیت خطرناک حد تک محدود ہے میکڈوگل (McDougall) جیسا نامہ ماہر نفسیات لکھتا ہے۔

انسان کی فطرت کے متعلق ہماری عدم واقفیت نے آج تک تمام حیاتی علوم کی نشوونما مغربی حکماء کی فطرت کو روکا ہوا ہے یہ علوم ہمارے زمانہ کی ایک ایسی ضرورت کا درجہ رکھتے انسانی سے لاعلمی۔ میں جس کے لئے دنیا چلا رہی ہے ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ نثار کے شدید خطرہ سے دوچار ہے،

میلاد عایہ ہے کہ اپنی تہذیب کے ترازو کو برابر رکھنے کے لئے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کے متعلق اس سے بہت زیادہ علم و ایک منظم علم کی ضرورت ہے جو ہمیں اس وقت حاصل ہے۔

پس ہماری تہذیب کی غیر متیقن اور بڑھتی ہوئی خطرناک حالت کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں سرعت کے ساتھ اجتماعی علوم کو سچ سچ کے علوم کی شکل دینا چاہیے اور اس غرض کے لئے پہلے انسان کی فطرت اور اس کے اعمال و افعال کے متعلق ایک منظم واقفیت ہم پہنچانا چاہیے۔

پس علمی صورت میں اس کا اعلیٰ کیا ہے میں اس سوال کے مختصر جواب کے طور پر یہ بتاؤں گا کہ اگر میں وکٹیرین جاؤں تو کیا کروں..... میں ہر ممکن طریق سے اپنی قوم کے ذہین ترین

افراد کو مادی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم کی جستجو پر مقرر کر دیں،

امریکہ کا ایک مشہور سائنسدان ڈاکٹر وگربے ویل (Dr. Roger J. Williams)

دنیا بھر میں سائنسدانوں کی سب سے بڑی انجمن۔ اے۔ اے۔ اے۔ ایس۔ (A. A. A. S.) میں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

تھچلے ایک سو سال میں سائنس نے علمِ سعادت میں ایک انقلاب پیدا کیا ہے اب اے
انسانی مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے، سائنس دان سوسائٹی کے سالمہ یعنی فرد انسانی کے متعلق
وہ معلومات حاصل نہیں کر سکے جو انہوں نے مادہ کے سالمہ کے متعلق ہیمنہ پچائی ہیں۔ اب ہمیں ساری
تو یہ اس حقیقت کی دریافت میں صرف کرنا چاہیے کہ انسان کیا ہے آج ہم اپنی جس کمی کو رب سے
زیادہ محسوس کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کی لاعلمی ہے کہ لوگ کیا ہیں۔ سچ سچ کے انسان جو اس
کرہ زمین پر رہتے ہیں کیا ہیں۔ آج ہماری تہذیب کو سالمہ کے ہم سے یا جراثیم کی جنگ سے فنا
ہونے کا خطرہ نہیں۔ بلکہ ہم اس کے لئے خود ایک خطرہ بنے ہوئے ہیں اگر ہم اپنی بدبختی کے لئے
ایٹیم بم کو مجرم ٹھہرائیں تو ہم اس نادان لڑکے کی طرح ہونگے، جو ہسپیکل سے گر جانے کے
بعد اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے ہسپیکل کو جو تے کی ٹھوک لگاتا ہے اگر ہماری تہذیب مٹ
گئی۔ تو وہ آلات یا اسلحہ جو انسان کام میں لائیگا۔ اس کی بربادی کا موجب نہ ہوں گے۔ بلکہ
انسان خود ہی اپنی ہلاکت کا موجب ہوگا۔

یورپ کے محققین ہیں ریاضیات طبیعیات اور حیاتیات ایسے علوم میں بیشک
مقصدِ تعلیم کے تسن کے مسئلہ میں کچھ سہانی کر سکتے ہیں لیکن انسانی اور اجتماعی علوم جن کی تدوین اور
حکما مغرب کی پریشان خیالی۔ تنظیم کا دار و مدار فطرت انسانی کے صحیح نظریہ پر ہے اور جن میں
فلسفہ تعلیم بھی شامل ہے ان کے اپنے ہی اختلاف کے مطابق ان کی دسترس سے باہر ہیں جب
یہ لوگ انسان کی حقیقت کے متعلق واضح طور پر کچھ نہیں جانتے تو وہ کیونکر جان سکتے ہیں۔ کہ
انسان کی زندگی کا مقصد یا تعلیم کا مقصد کیا ہے اور جب ان کو تعلیم کا مقصد ہی معلوم نہ ہو۔

تو تعلیمی معاملات کے متعلق ان کی رائے کی وقعت کیا ہو سکتی ہے اور ہمارے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی رائے کو وقیع سمجھیں،

یورپ کے حکماء تعلیم نے مقصد تعلیم کے متعلق جو رائے زنی کی ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس موضوع پر ان کے خیالات کس قدر منتشر ہیں۔

ان میں سے ایک کہتا ہے کہ تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر ہے دوسرا کہتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کیا جائے میرے کے خیال کے مطابق اس کا مقصد ایک تندرست جسم میں ایک تندرست روح پیدا کرنا ہے، چوتھے کی رائے کے مطابق تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی فطرت کے اعلیٰ ترین ممکنات کو ظہور میں لایا جائے۔

لیکن جب پوچھا جاتا ہے کہ سیرت کی تعمیر کس طرح سے ہوتی ہے اور تعمیر شدہ سیرت کے لوازمات کیا ہیں یا ایک مکمل زندگی گئے گھبتے ہیں اور اس کے بسر کرنے کے طریقے کیا ہیں۔ ایک تندرست جسم میں ایک تندرست جان کس طرح سے پیدا ہوتی ہے اور ایک تندرست جان سے مراد کیا ہے۔ یا انسان کی فطرت کے اعلیٰ ترین ممکنات کیا ہیں اور ان کا ظہور کس طرح ہوتا ہے تو ان کے جوابات ایک دوسرے کے اس قدر متخالف ہوتے ہیں کہ کوئی کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ آخر تعلیم کا مقصد کیا قرار دیا جائے ڈاکٹر کیٹنگ (Dr. Keatinge) بھی کہتا ہے کہ تعلیم کے مقصد کا تعین کرنے کی یہ تمام کوششیں بے فائدہ ہیں کیونکہ ہر شخص ان کی طرف جو مطلب چاہے منسوب کر لیتا ہے۔

انگلستان کے ایک نامور ماہر تعلیم سر پرسی نمن (Sir Percy Nunn) نے فرما

سر پرسی نمن کی تعریف | اپنی مشہور کتاب ایجوکیشن اس ڈیٹا اینڈ پرنسپلز

(Education : its date and first principles).

کے نقائص :-

پیرکینش کی کہ وہ مقصد

تعلیم کی ان تمام تعریفوں سے بالاتر ہو کر کوئی اسی تعریف کرے جو ان کے نقائص سے مبرا ہو

چنانچہ بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے جو تعریف کی وہ یہ تھی کہ تعلیم کا مقصد انسان کی انفرادیت (individuality) کی آزادانہ نشو و نما ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو سرپرسی کی یہ تعریف بھی ایسی ہی بیکار اور مہمل ہے جیسی کہ دوسری اوپر بیان کی ہوئی تعریفیں۔ اس لئے کہ سرپرسی نے اپنی ساری کتاب میں کہیں نہیں بتایا کہ انفرادیت سے اسکی مراد کیا ہے اور انفرادیت کی آزادانہ نشو و نما کیونکر ہوتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریز اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ روسی کی انفرادیت کی نشو و نما ایک جیسی ہوتی ہے اگر ایک جیسی ہوتی ہے تو پھر اسکی وجہ کیا ہے کہ نیکی، فرض شناسی، انصاف، آزادی، سچائی، اور اس جیسی دوسری اقدار حیات کے متعلق دونوں کے نقطہ ہائے نظر میں بے حد مشرقین موجود ہے۔ یہاں تک کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو نیکی، فرض شناسی، انصاف، آزادی، اور سچائی کے اوصاف سے بے بہرہ سمجھتا ہے اگر ان کی انفرادیت کی نشو و نما ایک جیسی نہیں ہوتی تو فرق آکر کہاں پڑتا ہے اور کیوں دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر الزام رکھیگا کہ اس کی انفرادیت کی نشو و نما آزادانہ طور پر نہیں ہوتی اشتراکی کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام میں حکمران طبقہ کے سوا باقی سب غلام ہوتے ہیں اور اسی طرح سے سرمایہ دار کہتے ہیں کہ اشتراکی نظام میں حکمران طبقہ کے سوا باقی سب لوگ غلام ہوتے ہیں۔ اگر یہ اصول صحیح تسلیم کر لیا جائے (جیسا کہ وہ فضا الواقعہ صحیح اور قابل تسلیم ہے) کہ ہر آزاد انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر پابندیاں عائد کرتا ہے اور مرضی سے عائد کی ہوئی پابندیاں اس کی آزادی میں خلل پیدا نہیں کرتیں۔ تو پھر اس بات کا فیصلہ کرتے کے لئے ہمارے پاس کیا اصول ہے کہ سچی آزادی کس کی ہے، اور جھوٹی آزادی کس کی ہے، سرپرسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔

سرپرسی نے یہ تسلیم کرتا ہے کہ جب تک ہم زندگی کا نصب العین معین نہ کریں۔ ہم تعلیم کا نصب العین معین نہیں کر سکتے، اس سے ہم امید کر سکتے تھے، کہ وہ ہمیں زندگی کا اور تعلیم کا کوئی ایسا نصب العین بتائیگا جس سے ماہر تعلیم کو صحیح راہنمائی حاصل ہو سکے گی۔ اور جو انفرادیت

اس آزادانہ نشوونما کا ضامن ہو گا جس کا وہ خواہشمند ہے۔ لیکن زندگی یا تعلیم کا کوئی صحیح نصب العین معین کرنے کی بجائے وہ ایک ایسی بات کہتا ہے جو اس کی شہرت کے ایک اور تعلیم کی شایان شان نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہ تو کوئی زندگی کا مخصوص نصب العین ہونا چاہیے اور نہ ہی تعلیم کا بلکہ ہر فرد بشر آزاد ہے کہ اپنی زندگی اور اپنی تعلیم کے لئے جو نصب العین چاہے اختیار کرے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

تمام اشخاص کے لئے تعلیم کا کوئی ایسا نصب العین مقرر نہیں کیا جاسکتا۔
جو زندگی کے کسی خاص نصب العین کے ماتحت ہو۔ کیونکہ دنیا میں اتنے ہی نصب العین ہیں جتنے کہ اشخاص۔

مصنف کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تعلیم کا کوئی مخصوص نصب العین مقرر کیا گیا تو اس سے طالب علم کی آزادی میں فرق آئے گا اور اس کی انفرادیت تعلیم سے بجات نہیں۔

کی آزادانہ نشوونما نہ ہو سکیگی لیکن ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا کسی نظام تعلیم میں یہ ممکن ہے کہ طالب علم کو ہر ایک نصب العین کے اثر سے محفوظ رکھا جائے، ہر نظام تعلیم کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے کیا دنیا میں کوئی قوم ایسی ہے کہ جس کے افراد کا کوئی مشترک نصب العین نہ ہو جس کے افراد میں سے ہر ایک اپنا اپنا الگ نصب العین رکھتا ہو اگر کوئی قوم ایسی ہے تو وہ افراد کے اتحاد کے بغیر وجود میں نہیں آئی، تو پھر وہ کون سا تصور یا عقیدہ ہے جو اس کے افراد کو متحد اور منظم کر کے اسے ایک قوم کی شکل دیتا ہے اور ان کے فکر و عمل کے تمام شعبوں میں وحدت پیدا کرتا ہے اگر کوئی عقیدہ ایسا ہے تو وہی ان کی زندگی اور ان کی تعلیم کا نصب العین ہے اور اگر ان کے ہاں ایسا تصور یا عقیدہ کوئی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ قوم ایک قوم نہیں ہوگی بلکہ ایسے افراد کی ایک بھڑ ہوگی جو زندگی کے کسی شعبہ میں متحد نہ ہو سکتے ہوں۔ لیکن افراد کی ایسی بھڑ دنیا میں کہیں موجود نہیں اور نہ ہو سکتی ہے جو وہی کہ انسان حیوانی بربریت کی سطح سے بلند ہو کر انسانی تہذیب کی سطح پر قدم رکھتا ہے اور اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ لوگوں سے مل کر ایک

جماعت بناتا ہے۔ نصب العین حیات کی بنا پر جماعت بندی کرنا انسان کی فطرت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیں دنیا میں نصب العین جراثیم نظر آتی ہیں۔ نصب العین افراد نظر نہیں آتے جبہر قوم ایک مخصوص نصب العین کے ماتحت اپنی ساری زندگی بسر کرتی ہے تو کس طرح سے ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا نظام تعلیم کھڑا کرے جو کسی نصب العین حیات کی پیداوار نہ ہو۔ ایسا نظام تعلیم اس کی کوئی ضرورت کو پورا کرے گا۔

ہر نظام تعلیم ہمیشہ ایک بڑے نظام کا جز ہوتا ہے جس کے بغیر اس میں سے الگ وہ جوڑ میں آہی نہیں سکتا اور یہ نظام ریاست ہوتی ہے اور ہر ریاست ایک مخصوص نصب العین حیات پر مبنی ہوتی ہے۔ ورنہ وہ جوڑ میں آہی نہیں سکتی۔ لہذا اگر کسی مخصوص نصب العین کو براہ راست اور جان بوجھ کر نظام تعلیم میں داخل نہ بھی کیا جائے تو پھر بھی وہ ایک مخصوص نصب العین پر قائم ہو جاتا ہے اور وہ وہی نصب العین ہوتا ہے جو اس کے بنانے اور چلانے والوں کا نصب العین اور ان کی قوم کا نصب العین ہوتا ہے اور پھر وہی نصب العین استادوں، پرنسپلوں، مدرسہ کے مینجروں، ہیڈ ماسٹروں، پرنسپلوں، انسپکٹروں، ڈائریکٹروں اور نصاب کے مولفوں کی ذہنیت کے ذریعہ سے پہلے مدرسہ کی ساری فضا پر اور پھر اس کے ذریعہ سے طالب علم کے دل و دماغ پر چھایا جاتا ہے اور پھر یہ نصب العین اس نظام تعلیم کو وجود میں لاتا ہو۔ چونکہ پوری قوم کا نصب العین ہوتا ہے اس لئے وہ طالب علم کو مدرسہ کی فضا سے باہر بھی گھر، بازار اور سماج کے ذریعہ سے متاثر کرتا رہتا ہے، اگر طالب علم اس نصب العین کے اثرات سے بچ جائے اور اس کے دل میں اسکی شدید محبت بیدار نہ ہو جائے تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ کہ جب تک وہ مدرسے کے اندر اور مدرسے سے باہر رہا ہے یعنی ہر آن اور ہر لمحہ اس کے حواس اور ذہنی قوے کی طور پر بیکار رہے ہیں اور اس کے لئے دیکھنا، سنا، محسوس کرنا، سوچنا اور سمجھنا ممکن نہیں ہوا اگر ان دھیمے اور خاموش لیکن یقینی قوی اور ناقابل انکار اور مخصوص نصب العین اثرات کے باوجود کوئی ماہر تعلیم یہ سمجھتا ہے کہ اس نے طالب علم کو ایک مخصوص نصب العین کی تعلیم

نہیں دی تو اس سے زیادہ بے خبری اور غلط فہمی اور کیا ہوگی۔

جب ایک مخصوص نصب العین کی تسلیم کے بغیر چارہ نہیں تو پھر ضروری ہے کہ ماہر تعلیم یہ دیکھے کہ جو مخصوص نصب العین طالب علم کی تعلیم و تربیت کی بنیاد بننے والا ہے وہ اچھا ہے یا برا اور اگر برا ہے تو طالب علم کو اسکے اثرات سے محفوظ کرنے کا انتظام کرے، لیکن وہ ایک برسے اور ناقص نصب العین کے اثرات کو اس وقت تک روک نہیں سکتا جب تک کہ وہ ایک اچھے نصب العین کے اثرات کو ان کی بجائے معرض عمل میں نہ لائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ایک سوچا سمجھا، مخصوص نصب العین اس کے سامنے رکھے۔ تعلیم ایک مثبت عمل ہے منفی عمل نہیں معلم کے لئے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ وہ طالب علم کو کہے کہ "یہ کرو۔ یہ نہ کہے کہ یہ نہ کرو" لہذا ضروری ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ ہمیں طالب علم کو کس مخصوص نصب العین کے ماتحت تربیت دینا چاہیے۔

سرپرسی ن کا یہ خیال بھی عجیب غریب ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ خواہ فرد زندگی یا تعلیم کا کوئی سرپرسی ن کا ایک نصب العین اختیار کرے اسکی انفرادیت کی نشو و نما ایک ہی جیسی ہوگی۔ ظاہر عجیب خیال ہے کہ اوپر کی مثال میں ایک تعلیم یافتہ انگریز اور ایک تعلیم یافتہ روسی کی انفرادیت کی نشو و نما ایک جیسی نہیں ہوئی، ورنہ اقدار حیات کے متعلق ان کے نقطہ نظر میں تضاد نہ ہوتا۔ لہذا اگر دونوں میں سے ایک کی انفرادیت کی نشو و نما صحیح طور پر ہوئی ہے تو دوسرے کی صحیح طور پر نہیں ہوئی اگر مخالف اور متضاد سمتوں میں بھی انفرادیت کی نشو و نما ایک ہی جیسی ہوتی ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سرپرسی ن کے نزدیک انفرادیت کی نشو و نما کے معنی کیا ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرپرسی ن کا خیال یہ ہے کہ جس نصب العین کو بھی آزادانہ طور پر اختیار کر لیا جائے وہ صحیح ہوتا ہے، گویا آزادانہ اختیار سے ایک معجزہ عمل میں آتا ہے جس سے ایک غلط نصب العین خود بخود صحیح ہو جاتا ہے اگر اس نے کہا ہوتا کہ اگر ایک غلط

نصب العین اختیار کر لیا جائے گا۔ تو چونکہ اس کی خامیاں کچھ مدت کے بعد آشکار ہو جائیں گی۔ اس کا اختیار کرنے والا خود بخود مجبور ہو گا۔ کہ اسے ترک کر کے ایک اور نصب العین اختیار کرے اور اس طرح سے آخر کار وہ صحیح نصب العین تک پہنچ جائے گا۔ لہذا کسی بیرونی مداخلت کی ضرورت نہیں۔ تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا بلکہ وہ اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ مسلم کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ اپنے شاگردوں کو تجربات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے اور پھر توقع رکھے کہ وہ اپنی راہنمائی خود بخود کرینگے۔ چنانچہ اخلاقیات کی تعلیم کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بچہ کے فطرتی رجحانات نیکی کی طرف ایک طبعی میلان رکھتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ توقع رکھنا غلط ہے، کہ وہ زندگی کے ان مشکل مسائل کو جنہیں حل کرنے سے بعض فحش ترین اشخاص اور دنیا کی لائق ترین قومیں عاجز رہی ہیں کسی بیرونی امداد کے بغیر خود بخود حل کر لینگے ضروری ہے کہ ایسی مہنتیاں جن کی فطرت کا بنیادی تقاضہ تخلیق کو کوششوں کی توسیع ہے آخر کار نیکی کی جستجو کریں اور جب تک اسے پانہ لیں چین سے نہ بیٹھیں لیکن شعور انسانی کی المناک تاریخ اور اپنے آپ پر نوع انسانی کے مظالم کی افسوسناک داستان ہر کرتی ہے کہ جستجو کس قدر غیر یقینی ہے اور کس کثرت کے ساتھ اس کا نتیجہ بتایا جاتا ہے،

لیکن اگر مصنف کا خیال یہی ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم کے سلسلے میں طالب علم کو بیرونی امداد کی ضرورت ہے تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ یہ بیرونی امداد کس قسم کے اخلاق کی طرف راہنمائی کرے گی۔ ہر شخص کا فرض کا مفہوم الگ ہے۔ نیکی ایک اضافی چیز ہے اور اس کے مفہوم کا دائرہ مدار زندگی اس نصب العین پر ہوتا ہے جس سے وہ اخذ کیا جائے۔ ہر نصب العین کی نیکی الگ ہوتی ہے تو پھر ہم طالب علم کو کون سی نیکی کی تعلیم دیں۔ اگر ہم اس بات کا فیصلہ مسلم پر چھوڑ دیں

تو کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ مسلم کا نصب العین اور اس سے پیدا ہونے والا نیکی کا تصور ہر حالت میں صحیح ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ہر معلم کا نصب العین حیات اور نیکی کا تصور الگ ہو۔ جب سرپرستی نن مجبور ہو کر طالب علم کی بیرونی راہنمائی کے لئے نیکی کا کوئی معیار یا مفہوم مقرر کر نیگے۔ تو وہ طالب علم پر ایک مخصوص نظریہ حیات مسلط کرنے کا وہی انتظام کر دینگے جس سے وہ گھبرائے ہیں۔

غرض سرپرستی نن کا یہ خیال درست نہیں کہ نہ زندگی کا ہی کوئی مخصوص نصب العین ہونا چاہیے اور نہ تعلیم کا۔ کیونکہ ایک مخصوص نصب العین کی تعلیم سے گزیر کسی حالت میں بھی ممکن نہیں۔ لہذا بجائے اس کے کہ اس مخصوص نصب العین کا انتخاب طالب علم کے غیر تربیت یافتہ اور ناقابل اعتماد رجحانات یا اتفاقات پر چھوڑ دیا جائے اور پھر کبھی وہ اچھا ہو اور کبھی برائیہ بہتر ہے کہ ماہر تعلیم خود لو کی سوچ بچار سے اس کے لئے ایک خاص نصب العین منتخب کر دے تاکہ اسی نصب العین کا اثر سارے نظام تعلیم میں سرایت کرے اور وہی طالب علم کے ذہن پر مسلط ہو اور کوئی دوسرا نصب العین جسے وہ غلط یا نا کافی سمجھتا ہے اس کی جگہ نہ لے لے اگر ہم اپنے نظام تعلیم کو جان بوجھ کر کسی اچھے نصب العین پر قائم نہیں کریں گے تو وہ خود بخود کسی برے نصب العین پر مبنی ہو جائیگا۔ ذمہ داری ہم پر عائد ہوگی، یہ حقیقت اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ تعلیم کے بارہ میں غیر جانبدار رہنا ناممکن ہے ہم مجبور ہیں کہ ہم یا تعلیم کا اچھا راستہ اختیار کریں یا براہان دونوں کے درمیان ایک تیسرا راستہ جو نہ اچھا ہو نہ برا ممکن نہیں۔

در اصل سرپرستی نن اور اس جیسے دوسرے مغربی ماہرین تعلیم کو وقت یہ ہے کہ صحیح نصب العین حیات کی وہ نہیں جانتے کہ مختلف نصب العینوں میں سے صحیح نصب العین کے دریافت کے بغیر چارہ نہیں قرار دیا جائے۔ اور کیوں۔ ہر قوم کہیگی کہ ہمارا نصب العین صحیح ہے اور جب تک ہمارے اچھے اور برے نصب العینوں میں امتیاز کرنے کے لئے کوئی معقول علمی معیار نہ ہو ہم کسی کے دعوے کی تردید نہیں کر سکتے لہذا انہوں نے اس مشکل کا حل یہ

نکالا ہے۔ کہ ہر شخص کو اجازت دے دی جائے کہ وہ جو نصب العین چاہے اختیار کرے لیکن اس نقطہ نظر سے جو یہود و ناسوت پیدا ہوتے ہیں وہ اسے مہل ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر سر پرستی اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو صحیح نصب العین حیات یا صحیح نصب العین تعبیم معلوم نہیں تو اس مشکل کا یہ حل کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہر نصب العین کو صحیح سمجھ لیا جائے جبکہ یہ اظہار من الشمس ہے کہ ہر نصب العین نہ صحیح ہوتا ہے اور نہ صحیح ہو سکتا ہے،

اگر انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ زندگی کا کوئی نہ کوئی نصب العین رکھے۔ تو ضروری ہے کہ ان مختلف نصب العینوں میں سے جو ممکن ہیں ایک نصب العین صحیح بھی ہو اور صحیح نصب العین صرف ایک ہی ہو۔ انسان صحیح نصب العین کو چاہتا ہے، غلط کو نہیں چاہتا۔ جو یہی کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کا نصب العین غلط ہے یا اس میں کوئی نقص یا خامی ہے تو وہ اسے ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا اور اسے فوراً ترک کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی کہے کہ حضرت! سب نصب العین ایک جیسے ہیں۔ اسی سے چمٹے رہتے تو وہ اس کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ گو یا صحیح نصب العین انسان کی فطرت کی ایک شدید ضرورت ہے۔

انسان کی کوئی شدید قدرتی ضرورت ایسی نہیں جسکی تکمیل کا انتظام کارخانہ قدرت میں موجود نہ ہو اور جستجو سے مہیا نہ ہو سکتا ہو۔ لہذا صحیح نصب العین نہ صرف ممکن ہے۔ بلکہ تلاش سے دریافت کیا جاسکتا ہے اور اس کا تلاش کرنا عقلی اعتبار سے نہ صرف جائز ہے بلکہ ہمارا اولین فرض ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر ہر فرد بشر کا اپنا نصب العین الگ ہو اور نصب العین اتنے ہی ہوں۔ جتنے افراد ہیں تو پھر یا تو نصب العین ایک بے حقیقت اور بے معنی چیز ہوگی جو انسان کی عملی زندگی پر کوئی اثر پیدا نہیں کرتی اور یا دنیا میں ہر طرف بلامنتی اور انتشار کا دور دورہ ہوگا کس طرح سے ممکن ہے کہ انفرادیت کی نشو و نما مختلف اور متضاد سمتوں میں بھی ایک

ہی جیسی ہو۔ جب ہر انسان کی فطرت ایک ہی ہے تو پھر سب کے لئے ایک ہی نصب العین کیوں ممکن نہ ہو یہ صحیح ہے کہ جب ہم ساری نوع انسانی کے لئے ایک ہی صحیح نصب العین کا فیصلہ کرینگے تو چونکہ ہر انسان کی انفرادیت بے مثل اور بے نظیر ہے ہر انسان اس کی جستجو اور تکمیل اور تحقیق اپنے فاصلہ ہنگ سے کرے گا اور اس کے دوران میں اپنے مخصوص میلانات و ممکنات کو کام میں لائے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہوگا کہ ہر فرد بشر کا نصب العین الگ ہے سر پرستی بن خود تسلیم کرتا ہے کہ تفصیلات کی بوجہ فی اور رنگارنگی ایک مجموعی اور وسیع سیادی وحدت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اس بات کے باوجود کہ ایک درخت کے سیب سب ایک جیسے ہوتے ہیں ان کے رنگ و حجم و شکل اور فائقہ میں معمولی اختلاف ہو سکتا ہے سو مختلف شاعروں میں سے ہر ایک جو سانیٹ (Sonnet) لکھیگا وہ اپنی مجموعی حیثیت میں بے چون و بے نظیر ہوگا لیکن اس کے باوجود یہ ہو سکتا ہے کہ ان سب کا موضوع ایک ہی ہو۔ مثلاً انگلستان کی محبت۔

فلسفہ تعلیم اور اس جیسے دوسرے انسانی اور حیوانی علوم کی صحیح تحقیق کے لئے اسے انسانی علوم کی تحقیق کے لئے اسے میں جو چیز حکمائے مغرب کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ میں حکمائے مغرب کی بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ انسان کی مادی توجہ کرتے ہیں۔ اور کوشش کے باوجود اس نقطہ نظر سے نجات پانے کی کوئی راہ نہیں نظر آتی وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی علمی بحثوں میں خدا کا نام لے لیا تو علمی نقطہ نگاہ سے ہماری بحث گھٹیا ہو جائے گی اور معیار سے گر جائے گی ان کے علمی اور عقلی نظریات میں خدا کی کوئی جگہ نہیں بنتی۔ لیکن اگر خدا دنیا میں موجود ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنے کسی عقلی اور علمی نظریہ کو عقلی اور علمی لحاظ سے درست اور میاری بنا سکیں۔

ڈارون (Darwin) کے نظریہ ارتقاء کے نتیجے میں وہ سمجھتے ہیں کہ انسان مادہ کے

ترقی کر کے موجودہ حالت کو پہنچا ہے، یہ باور کرنے کے لئے ان کے پاس ڈارون کے نظریہ کا علمی سہارا ہے جسے وہ غلط قرار دیں تو کس بنا پر اور چھوڑیں تو کہاں جائیں۔ لہذا وہ سمجھتے ہیں کہ رب کے پہلے مادہ تھا۔ پھر اس میں کائنات کی میکا نیکی قوتوں کے عمل سے تغیر پیدا ہوا تو حیوان وجود میں آیا جس کا امتیازی وصف اس کی جبلتی خواہشات ہیں۔ پھر حیوانی جبلتوں سے کسی نہ کسی طرح سے وہ ذہنی اوصاف یا قوی پیدا ہوئے جو انسان سے خاص ہیں اور جو اس کے مخصوص افعال اعمال کا موجب ہیں۔ مثلاً ضمیر اور عقل و ہنر۔ سیاست۔ مذہب۔ فلسفہ۔ قانون۔ اخلاق۔ ہنر وغیرہ وہ مانتے ہیں کہ انسان اپنے ذہنی قوی اور اوصاف اور افعال کے لحاظ سے حیوان سے مختلف ہے لیکن ان کے نزدیک ان اوصاف اور افعال کا سب انسان کی جبلتوں میں تلاش کرنا چاہیے جو حیوان اور انسان میں مشترک ہیں اور جو انسان نے حیوان سے وراثتاً حاصل کی ہیں کیونکہ اگر وہ حیوانی جبلتوں سے پیدا نہیں ہوئے تو پھر کہاں سے آئے ہیں۔

چنانچہ مغرب کا ماہر نفسیات جس سے مغرب کا ماہر تعلیم فطرت انسانی کے متعلق اپنے نظریہ کے اکثر عناصر مستعار لینے پر مجبور رہے انسان کے ان مخصوص اعمال کو یا تو ساری جبلتوں کا نتیجہ سمجھتا ہے مثلاً میکڈوگل (Mc Dougall) اور یا ان میں سے کسی ایک کا مثلاً فرائڈ (FREUD) اور ایڈلر (Adler) کے نزدیک انسان کی شخصیت کا بیشتر حصہ اس کا لاشعور ہے جس کے اندر جنسی محبت کا ایک زبردست جذبہ ہے جنسی محبت ایک جبلتی خواہش ہے جو حیوان میں بھی موجود ہے۔ لیکن فرائڈ سمجھتا ہے کہ وہ انسان میں پہنچ کر زیادہ قوی اور معنی خیز ہو جاتی ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے کیا انسان کی نسل جسے قائم رکھنے کے لئے قدرت نے اسے جنسی خواہشات دی ہیں اس کی ان خواہشات کی غیر معمولی قوت اور معنی خیزی کے بغیر قائم نہ رہ سکتی تھی۔ فرائڈ اس کے متعلق خاموش ہے تاہم وہ کہتا ہے کہ انسان کے شعور کے سائے مشتملات اس کے جنسی جذبہ لاشعور سے

آتے ہیں چونکہ انسان سماج کے خوف سے اپنے شرمناک لاشعوری جذبہ جنسیت کو پوری طرح سے مطمئن نہیں کر سکتا لہذا وہ اس کے کچھ حصہ کو مذہب، اخلاق، عظم منہر وغیرہ کی صورت میں تبدیل کر کے مطمئن کرتا ہے۔ بچپن میں لاشعوری جذبہ جنسیت مال یا باپ کی جنسیت کی صورت اختیار کرتا ہے جسے آبائی الجھاؤ (Oedipus) کہنا جاتا ہے بعد میں جب یہ الجھاؤ کمزور ہو جاتا ہے تو زندگی کے نصب العین اسکی جگہ لے لیتے ہیں۔ گویا نصب العینوں کی بنیاد جنسیت (Sexuality) ہے۔

ایڈلر (Adler) لاشعوری حیرہ کو جب تفوق یا استیلا قرار دیتا ہے جو ایک جبلتی خواہش کی حیثیت سے انسان اور حیوان دونوں میں موجود ہے انسان بچپن میں کمزور ہونے کی وجہ سے ایک احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر ساری عمر اس احساس کا علاج کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کرتا ہے تاکہ اسے دوسروں پر تفوق اور استیلا حاصل ہو جائے اس کوشش میں وہ زندگی کے بعض بڑے بڑے نصب العینوں کا اختراع کرتا ہے اور انکی محبت اور جستجو میں سرگردان رہتا ہے۔

جو لوگ انسان کی حیوانیت کو اس کے اعلیٰ ترین نصب العینوں کا منبع اور ماخذ سمجھتے ہیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ زندگی یا تعلیم کا کوئی نصب العین معین کرنے یا اس کے انتخاب کیلئے کسی ذہنی کاوش سے کام لینا ضروری سمجھیں گے۔

مغربی حکماء کے نزدیک انسان کے ارتقاء کی ترتیب اس طرح سے ہے پہلے انسان کی اصل مادہ پھر حیوان اور پھر انسان۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ انسان کا ارتقاء ایک خودی ہے درخت کی طرح ہوا ہے جسکی نشوونما کی انتہا پر پھول یا بیج پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ غلطی سے درخت کی نشوونما کو تنے سے شروع کرتے ہیں کہ پہلے تنہ تھا۔ بعد میں اس سے شاخیں اور پتے پیدا ہوئے اور ان شاخوں اور پتوں سے پھول اور پھول سے بیج اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کو فقط درخت کا تنہ ہی نظر آتا ہے، چونکہ بیج جس سے درخت

پھوٹا ہے تہ زمین ان کی نظروں سے اور محفل تھا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ بیج جو درخت کی نشو و نما کا آخری نتیجہ ہے وہی اس کا ابتدا بھی ہے،

اسی طرح سے انسان کی خودی *Human self-consciousness* جو اس کے مخصوص قوای اور اوصاف اور افعال کا منبع اور ماخذ ہے اور جس کا ظہور انسان کے ارتقا کا آخری نتیجہ ہے وہی کائنات کی خودی کی صورت میں انسان کی اصل بھی ہے۔ وہ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھی اس نے اپنے اوصاف کے اظہار کے لئے کائنات کے درخت کو ارتقائی منازل سے گزارا ہے، اس ارتقا کے آخری نتیجہ کے طور پر اس درخت میں ایک پھول کا ظہور ہوا ہے جسے ہم انسان کہتے ہیں اور جس میں خودی کائنات کے اوصاف کا عکس موجود ہے،

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے !

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

انسان کی حقیقت اس کا مادی جسم یا اس کی حیوانی جبلتیں نہیں۔ نہ ساری جبلتیں اور نہ ان میں سے کوئی ایک جبلت۔ بلکہ اسکا شعور یا اس کی خودی ہے جسم خودی سے پیدا ہوا ہے۔ خودی جسم سے نہیں ہوئی،

قالب از ماہرست شد نے ما ازو۔ (رومی)

خودی کائنات نے انسانی جسم کو اپنے اوصاف کے نمودار کرنے کے لئے ایک ذریعہ کے طور پر پیدا کیا ہے، حیوانی مرحلہ ارتقا میں جبلتوں کا پیدا کرنا اس لئے ضروری تھا کہ جسم حیوانی جسے انسان کہتے ہیں اور جو اپنے دماغ کی مکمل ساخت کی وجہ سے خودی کے ظہور کا ذریعہ بن سکتا تھا وجود میں آجائے۔ ہم جسے انسان کہتے ہیں وہ انسان کی خودی ہے اندہ پڑیوں اور پھپھوں اور گوشت اور پوست کا وہ ڈھانچہ نہیں۔ جو اس کا خادم

اے برادر تو ہمیں اندیشہ
مابقی تو پرستی و ریشہ۔

اسی انسان کی تعلیم و تربیت ہمارے ماہرین تعلیم کے ذمہ ہے۔ انسان کی اعلیٰ ترین سرگرمیاں جو اس کی خصوصیت ہیں مثلاً ضمیر، عقل و فکر، محبت، تصور و نظریات، مذہب، فلسفہ، اخلاق، سیاست، علم اور ہنر انسان کی خودی کی سرگرمیاں ہیں اور انسان کی جسمانی یا حیوانی جبلتیں خودی کی خدمت گزار اور حاشیہ برادر ہیں۔ چونکہ انسان کی تعلیم اور تربیت سے مراد اس کی خودی کی تعلیم و تربیت ہے ضروری ہے کہ تعلیم اور تربیت کی تمام صورتیں اس غرض و غامت کے ماتحت ہیں۔

حقیقت انسان کے متعلق یہ نقطہ نظر اختیار کرنے سے ماہرین تعلیم اور دوسرے انسانی اور اجتماعی علوم کے محققین کی ساری مشکلات کا حل پیدا ہو جاتا ہے اس صدی کے علم الحیات اور علم الطبیعات کے انکشافات سے اس نقطہ نظر کی حمایت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس نتیجہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں کہ کائنات کی حقیقت مادہ نہیں بلکہ شعور (Consciousness) یا خودی ہے۔ ڈارون کا نظریہ جس نے مغرب کے تمام انسانی اور اجتماعی علوم کو متاثر کیا ہے۔ انیسویں صدی کی پیداوار تھا جب سائنسدان مادہ کو حقیقی سمجھتے تھے لیکن اس مادی کی تحقیقات نے سائنسدانوں کو اس نظریہ کے ترک کرنے پر مجبور کیا ہے جس سے حقیقت انسان کے متعلق خالص اسلامی نقطہ نظر کے لئے راستہ صاف ہو گیا ہے۔ تاہم یورپ کے انسانی اور اجتماعی علوم پر ڈارون کے نظریہ کا اثر اب تک باقی چلا آتا ہے۔ مغرب کے ان خارج از وقت علوم سے اقتباس کر کے اپنی ہدایت پانا وقت کے پہلے کو بھیجے کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے اب ہمیں چاہیے کہ ہم نے انسانی اور اجتماعی علوم کی داغ بیل ڈالیں جو حقیقت مادہ پر نہیں۔ بلکہ حقیقت خودی پر مبنی ہوں۔

اب سوال یہ رہتا ہے، کہ خودی کی تربیت جو تعلیم کا مقصد ہے کس طرح ہوتی
 خودی کی تربیت کے قوانین | ہے درحقیقت جس طرح سے جسم کی تربیت کا سامان قدرت نے
 جسم کے فطرتی حیاتیاتی رجحانات کے اندر رکھ دیا ہے اور جب ہم جسم کی تربیت کی تربیت
 کرنا چاہیں تو ہم اس کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ کہ ان رجحانات سے کام لیں ان کی تائید
 اور اعانت کریں اور ان کے راستہ کی رکاوٹوں کو دور کر دیں اور ایسا کرتے ہوئے ان کے اعمال
 میں کم از کم مداخلت کریں تاکہ ان کی مزاحمت کے موقع پیدا نہ ہوں۔ اسی طرح سے قدرت
 نے خودی کی تربیت کا سامان خودی کے فطرتی نفسیاتی رجحانات میں رکھ دیا ہے اور جب ہم
 خودی کی تربیت کرنا چاہیں تو ہمیں اس کے سوائے اور کچھ نہیں کرنا چاہیے کہ ہم ان نفسیاتی
 رجحانات سے کام لیں۔ ان کی تائید اور اعانت کریں۔ ان کے راستہ کی رکاوٹوں کو دور کریں
 اور ایسا کرتے ہوئے خود ان کے عمل میں کم از کم مداخلت کریں تاکہ ان کی مزاحمت کے مواقع
 پیدا نہ ہوں۔

اگر جسم کے فطرتی حیاتیاتی رجحانات کو مطمئن کیا جائے تو اس کا آخری نتیجہ جسمانی
 صحت اور طاقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اگر خودی کے فطرتی نفسیاتی رجحانات کو مطمئن
 کیا جائے تو اس کا نتیجہ خودی کی صحت اور طاقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ خودی کی
 صحت یہ ہے کہ اسے اطمینان اور راحت اور خوشی حاصل ہو۔ یہی نفسیاتی یا ذہنی صحت
 (Psychological or Mental health) ہے اور خودی کی طاقت یہ ہے کہ وہ
 اپنے لواؤں کو حیوانی یا جلتی خواہشات کی ممکن مزاحمت کے باوجود عملی جامہ پہنا سکے۔
 یہی قوت ارادی (WILL-POWER) ہے۔

جس طرح سے بیماری جسم کی صحت کو برباد کرتی ہے اسی طرح بدی خودی کے اطمینان
 کو برباد کرتی ہے جسم جب طاقتور ہوتا ہے تو بیماری پرستج پاتا ہے اور بیماری اس میں
 جڑ نہیں بکڑ سکتی۔ خودی جب طاقتور ہوتی ہے۔ تو وہ بدی پر فتح پاتی ہے اور بدی اس

میں بڑھ نہیں پکڑ سکتی۔

جسم کا فطرتی حیاتیاتی رجحان یہ ہے کہ وہ کھانے کے لئے اعلیٰ درجہ کی صحت اور قوت بخشنے والی غذا چاہتا ہے۔ یعنی ایسی غذا جس میں وہ تمام حیاتیں (Vitamins) موجود ہوں جو جسم کی پرورش میں حصہ لیتے ہیں۔ صرف اس قسم کی غذا جسم کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے جسم اسے مضہم کر کے اپنا جزو بناتا ہے اور اس سے صحت اور قوت حاصل کرتا ہے خودی کا فطرتی نفسیاتی رجحان یہ ہے کہ وہ محبت کرنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا تصور حسن چاہتی ہے جس کی محبت سے اسے اطمینان قلب حاصل ہو یعنی ایسا تصور حسن جس میں حسن کے وہ تمام اوصاف (Attributes of beauty) درج ہوں جنکی تمنا خودی کی فطرت کے اندر رکھی گئی ہے ایسا تصور حسن ہی خودی کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

خودی کی صحت اور قوت کیلئے اوصاف حسن کی حیثیت وہی ہے جو جسم کی صحت اور طاقت کے لئے غذا کے حیاتیات کی ہے جس طرح سے ضروری حیاتیں کے بغیر جسم مرجاتا ہے اسی طرح سے ضروری اوصاف حسن کے بغیر خودی مایوس اور پژمردہ ہو جاتی ہے۔

جس طرح سے ہر غذا جسم کی صحت اور قوت کی ضامن نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہی ہو سکتی
 خدا کا تصور خودی کی ہے جو جسم کے فطرتی حیاتیاتی رجحانات کو پوری طرح سے بڑے
 تربیت کا حشر چشمہ ہے | کار لائے اور اپنے مکمل غذائی عناصر یا مکمل حیاتیں کی وجہ سے
 جسم کی تمام حیاتیاتی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اسی طرح سے ہر تصور حسن خودی کی صحت
 اور طاقت کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہو سکتا ہے جو خودی کے فطرتی نفسیاتی عناصر
 یعنی مکمل اوصاف حسن کے سبب سے خودی کی تمام نفسیاتی ضروریات کو پورا کر سکے انسانی
 خودی کے تقاضائے حسن کو بدرجہ کمال پورا کرنے والا یہ مکمل تصور حسن اس کا ناتی

خودی کا تصور ہے جو اسکی تخلیق کا سرشتہ ہے۔ اور جسے ہم خدا کہتے ہیں جس طرح جسم کی شدید حیاتیاتی ضرورت کی چیز یعنی غذا کو پیدا کرنے کے لئے قدرت نے اپنا انتظام کیا ہے یعنی زمین سے قلعہ اور غذا کی دوسری چیزیں پیدا کرنے کے لئے ہوا پانی اور روشنی کو بہم پہنچایا ہے اسی طرح سے خودی کی شدید نفسیاتی ضرورت کی چیز یعنی مکمل تصور حسن کی تعلیم کے لئے قدرت نے اپنا انتظام کیا ہے جسے نبوت کہتے ہیں اور جس کی مکمل صورت خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جن پر قرآن نازل ہوا ہے قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ مکمل تصور حسن جو خودی کی تمام فطرتی نفسیاتی ضروریات کو بدرجہ کمال پورا کر سکتا ہے اور جو اس کی صحت اور طاقت یعنی اس کی خوشی اور قوت ارادی کی تکمیل کا ضامن ہے خوشیئے کائنات یا خدا کا تصور ہے،

فطرة الله التي فطر الناس عليها

دین اسلام انسان کی وہی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ کیونکہ اس میں وہ تمام اوصاف حسن بدرجہ کمال موجود ہیں جو خودی کی محبت کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

لَمْ يَلَمْسْ إِلَّا سَمًا وَالحُسْنٰی

تمام اوصاف حسن کا مالک اللہ ہی ہے۔

کسی غذا کی صحت اور طاقت بخشندہ والی خاصیات کو ثابت کرنے کے لئے کیمیاوی تجربہ بھی کام نہ لے سکتا ہے۔ لیکن ان کا کوئی ثبوت اس سے بہتر نہیں۔ کہ غذا کو استعمال کر کے تجربہ کر لیا جائے۔ اسی طرح سے اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ خدا کے تصور میں وہ تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود ہیں جنکی محبت سے خودی صحت اور طاقت حاصل کرتی ہے۔ ہم عقلی تجربہ اور استدلال سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ لیکن اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ خودی کو اس تصور کی محبت کا غرر بنا کر دیکھ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خودی کو ایسا زور غلبہ حاصل ہوگا جو اور کسی تصور سے ممکن نہیں۔

الایذ کر اللہ تطمئن القلوب

یاد رکھو کہ اللہ کی محبت سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

عزاکا تصور وہ مکمل تصور حسن ہے جو انسان کی زندگی کا صحیح نصب العین اور تسلیم کا

صحیح نصب العین حیات | بھی صحیح نصب العین ہے اسی تصور کی محبت ہے جس سے انسان
اور صحیح مقصد تسلیم کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے جو انسان کو ایک مکمل زندگی کے لئے

تیار کرتی ہے جو ایک تندرست جسم کے اندر ایک تندرست جان پیدا کرتی ہے۔ جو

انسان کی بہترین خفگی صلاحیتوں کو پیدا کرتی ہے اور جو انسانی انفرادیت کی اس زاویہ

نشوونما کو ممکن بناتی ہے جو سرپرستی بن کے نزدیک تعلیم کا مدعا ہونا چاہیے۔ اپنی زندگی

میں کامیاب ترین انسان اور نیز اعلیٰ ترین تعلیم اور تربیت یافتہ انسان وہ ہے جس

نے اس تصور کی محبت کو درجہ کمال تک پہنچایا ہو اور جو اس محبت کو اپنی عملی زندگی میں

ٹھیک طرح سے اور پوری طرح سے ظاہر کر رہا ہو۔ ماہر تعلیم کا فرض ہونا چاہیے،

کہ وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ اس تصور کی محبت اور اس کے اوصاف کی محبت

نہ صرف طالب علم کے دل میں پوری طرح سے نشوونما پائے بلکہ اس کی عملی زندگی

کے ہر پہلو میں بھی پوری طرح سے نمودار ہو۔

حسن خودی کی غنڈا ہے اور حسن کی محبت خودی کی بھوک ہے، خودی اپنی

فطرت انسانی کے | جس کی تسکین پر اس کی تربیت اور نشوونما کا دار و مدار ہے اپنی فطر

اہم قوانین کے | کے عین قوانین کے ماتحت مطمئن کرتی ہے، ضروری ہے کہ ماہر تعلیم

جو خودی کی تربیت کا ذمہ دار ہے ان قوانین سے واقف ہو۔ لہذا ان کو ذیل میں بیان

کیا جاتا ہے۔

(۱) اگر کسی شخص کو اچھی غذا نہ مل سکے تو پھر بھی وہ اپنی بھوک کو روک نہیں سکتا۔

بلکہ مجبور ہوتا ہے کہ اسے جو غذا بھی مل جائے اسی سے اپنی بھوک کی تسکین کا سامان

پیدا کرے اور اسی میں لذت محسوس کرے اسی طرح جب خودی اپنی لاعلمی کی وجہ سے مکمل تصور حسن کو جو اس کے لئے صحیح اور مکمل غذا کا حکم رکھتا ہے نہیں پاسکتی یعنی اس کے محاسن اور کمالات کا ذاتی احساس کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے تو وہ مجبوراً ایک غلط اور غیر مکمل تصور کو اپنی محبت کے لئے اختیار کر لیتی ہے۔ اس تصور میں اسے چند اوصاف حسن کی جھلک تو صاف طور پر نظر آتی ہے۔ لیکن باقی ماندہ صفات حسن کو وہ اسکی نظر شعوری یا غیر شعوری طور پر لیکن ہر حالت میں غلط طور پر منسوب کر کے ان کی موجودگی کا احساس کرنے لگتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی غلط تصور سے بھی اس وقت تک محبت نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اس کی طرف ان تمام صفات حسن کو منسوب کرے جو صرف مکمل تصور حسن میں موجود ہیں اور جن کی تناسل اسکی فطرت کے اندر روایت کی گئی ہے ایسا کرنے کے بعد وہ اپنے غلط اور غیر مکمل تصور حسن سے بھی اس طرح محبت کرتی ہے گویا کہ وہ پیمچ کا صحیح اور مکمل تصور حسن ہے،

(۲) تصور حسن کی محبت کا تقاضا تصور حسن کی ستائش اور پرستش ہے۔ تصور کی ستائش اور پرستش سے خودی مطمئن ہوتی ہے اور تربیت پاتی ہے،

(۳) تصور حسن خواہ صحیح ہو یا غلط خودی کی ساری زندگی کا نصب العین اور مدار اور محور بن جاتا ہے خودی کے سائے جذبات و احساسات اور اعمال و افعال اس نصب العین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اس کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کرتی ہے۔ اسی کے لئے زندہ رہتی اور مرتی ہے۔ خودی کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے کون سے اعمال کو اختیار کرنے اور کون سے اعمال کو اختیار کرنے اور کون سے اعمال کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا وہ اپنے نصب العین سے ایک قانون اخلاق یا ضابطہ عمل اخذ کرتی ہے اور نصب العین کی محبت کی خاطر اس پر سختی سے کاربند رہتی ہے۔ اگر اس کا تصور سن یا نصب العین صحیح ہو تو یہ قانون

اخلاق یا ضابطہ اور امر و نواہی بھی صحیح ہوتا ہے۔ ورنہ غلط ہوتا ہے۔

(۴) ایک تصور حسن یا نصب العین حیات کو ماننے والے افراد اپنے نصب العین کی محبت سے مجبور ہوتے ہیں کہ وہ مل کر ایک جماعت بنائیں اور اس جماعت میں رہیں۔ نصب العین کی محبت اس جماعت کے افراد میں وحدت اور تنظیم پیدا کرتی ہے اور لہذا جماعت ایک ریاست کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ریاست کی تمام سیاسی۔ فوجی۔ اقتصادی۔ قانونی۔ تعلیمی سماجی اور علمی سرگرمیاں اس نصب العین کے ماتحت پیدا ہوتی ہیں اور قدرتی طور پر ایسا کہ فرد کی صورت میں درست ہے، اگر ریاست یا جماعت کا نصب العین صحیح ہو تو اس کی یہ سرگرمیاں بھی صحیح ہوتی ہیں ورنہ غلط ہوتی ہیں۔

ریاست کے افراد اپنے نصب العین کے نفسیاتی اخراجات آئندہ فسلوں کو دراثاً سپرد کرتے ہیں اور اس طرح سے نصب العین صدیوں تک زندہ رہتا ہے۔ اشتراکیت، جمہوریت، انگریزی قومیت، ہندی قومیت امریکی قومیت ایسے ہی نصب العین ہیں جو ب غلط ہیں (۵) جب ایک نصب العین غلط ہو تو چونکہ اس میں تمام اوصاف حسن نے الواقعہ موجود نہیں ہوتے، بلکہ چند اوصاف حسن کے نمائشی وجود کی بنا پر فرعن کر لئے جاتے ہیں اس لئے کچھ مدت کے بعد خودی کو اس کے نقائص کا علم ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی محبت کمزور ہو جاتی ہے اور بالآخر مٹ جاتی ہے، جب یہ صورت پیش آتی ہے تو خودی اپنے تقاضائے حسن کو مطمئن کرنے کے لئے ایک اور تصور کو اختیار کر لیتی ہے اس طرح سے ہر غلط تصور آخر کار نامسلی بخش اور ناپائیدار ثابت ہوتا ہے۔

(۶) خودی کی فطرتی محبت نہ صرف خدا سے ہے، بلکہ خدا کی صفات حسن سے خودی کی محبت صفات کے بھی ہے یعنی ان صفات کے لئے اس کی فطرت میں ایک علیحدہ نتائج اور ان کی تعلیمی اہمیت کشش ہے جو ہر شخص میں موجود ہوتی ہے خواہ اس کا تصور حسن صحیح ہو یا غلط اور وہ مومن ہو یا کافر۔ لیکن یہ کشش صفات حق نصب العین کی محبت کے

ماتحت ظہور پاتی ہے اس سے الگ یا اس کی مخالفت میں ظہور نہیں پاسکتی۔

محبت صفات کا ایک نتیجہ عالمگیر اصول اخلاق کی محبت میں ظاہر ہوتا ہے جب کوئی شخص صفات حسن کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا عمل سچائی، انصاف، نیکی وغیرہ عالمگیر اصول اخلاق کے مطابق سمجھا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہ وہ کافر ہو یا مومن عالمگیر اصول اخلاق کی پابندی کا فطرتی جذبہ موجود ہے لیکن چونکہ کافر کا نصب العین حیات غلط ہوتا ہے اور وہ نصب العین اس کیلئے اوامر اور نواہی کا ایک الگ ضابطہ مقرر کر چکا ہوتا ہے، لہذا کافر کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ عالمگیر اصول اخلاق یا صحیح تصور حسن کے ضابطہ اوامر و نواہی کی پابندی کر سکے۔ ان اصولوں کے لئے اسکی فطرتی کشش اسکے غلط نصب العین اور اس کے مقرر کئے ہوئے قانون عمل کی محبت سے منسوب ہو کر رہ جاتی ہے اس کے برعکس مومن کے لئے جس حد تک کہ وہ فی الواقعہ صحیح تصور حسن کی محبت رکھتا ہو، ان عالمگیر اصول اخلاق کے مطابق عمل کرنا آسان ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نصب العین یا تصور حسن صحیح ہوتا ہے اور اسکی محبت ان اصولوں کی فطرتی کشش کے ساتھ مزاحمت نہیں کرتی۔ بلکہ ان کی اور تائید کرتی ہے، کیونکہ یہ اصول اسی صحیح نصب العین کے ضابطہ اوامر و نواہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

محبت صفات کا دوسرا نتیجہ علم کی جستجو میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ علم کی تلاش سچائی، صداقت یا حق کی جستجو ہے۔ حق خدا کی ایک صفت ہے اور علوم خدا کی اس صفت کے جزوی انکشاف کا درجہ کہتے ہیں۔ یہ انکشاف ایک قوت ہے جس کی مدد سے انسان اپنے نصب العین کی خدمت اور اعانت بہتر طریق سے کر سکتا ہے۔

اس کا تیسرا نتیجہ سہنر Art کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب ہم کسی ظاہری واسطہ کے ذریعہ سے حسن کا اظہار کرتے ہیں تو اسے سہنر Art کہا جاتا ہے مثلاً

جب ہم لفظ میں حسن کا اظہار کرتے ہیں تو اسے شعر کہا جاتا ہے۔ جب سنگ و خشت میں حسن کا اظہار کرتے ہیں تو اسے بیت سازی اور تعمیر کا نام دیا جاتا ہے و علیٰ ہذا القیاس خودی کائنات اپنی تخلیق میں حسن کا اظہار کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی تخلیق کا شرع ہنر کی اہمیت | ہی حسن کی محبت ہے۔ لہذا اس کی تخلیق ہنر کی صورت اختیار کرتی ہے وہ مصور ہے نقاش ہے، اور اس کی ہر تخلیق میں ترتیب، نظم اور بناؤ کے اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ انسانی خودی میں بھی اپنی ہر تخلیق میں حسن کا اظہار کرنے کی خواہش موجود ہے اور اس اظہار حسن سے اس کی محبت نشو و نما پاتی ہے گویا ہنر خودی کی تربیت کا ایک ذریعہ ہے لیکن یہ اسی صورت میں کارآمد ہے جب اسے صحیح نصب العین کی تربیت اور خدمت کے ماتحت کام میں لایا جائے ہنر کی کئی قسمیں ایسی ہیں جو انسانی سے بد اخلاقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ مثلاً موسیقی اور ناچ ان سے طالب علم کو فائدہ کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہے لیکن ہنر کی ایک قسم ایسی ہے جو تعلیمی نقطہ نظر سے بے حد اہم ہے اور جس کی طرف مسلم کو لازماً توجہ دینی چاہیے اور وہ ہے طرز زندگی میں حسن کا اظہار۔ جو شخص اپنے گھر کی تزئین و آرائش میں کمروں کے اندر چیزوں کی ترتیب میں اپنی وضع قطع میں اپنے لباس میں اپنی نشست و برخاست اور بات چیت میں۔ لوگوں کے ساتھ اپنے میل جول اور برتاؤ کے طریقوں میں اور چلتے پھرتے۔ سفر کرتے۔ کھیلتے۔ لکھتے پڑھتے اپنی جملہ حرکات و سکنات میں حسن کا اظہار کرنا جانتا ہے۔ وہ یقیناً دوسرے لوگوں سے زیادہ تربیت یافتہ ہے۔

فطرت انسانی کے ان حقائق سے ماہر تعلیم نہایت ہی اہم نتائج اخذ کر سیکھ نظام تعلیم | کر سکتا ہے۔ مثلاً اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم کے سامنے خودی کائنات کے تصور کو زندگی اور تعلیم کے ایک مثبت

نفس العین کے طور پر رکھے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو طالب علم کے دل و دماغ پر غلط اور ناقص نسب العین مستط ہو جائیگا۔ اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ طالب علم کی ساری زندگی غلط راستہ پر چلی نکلیگی جیسے کہ وہ ٹرین جس کا کانسٹا غلط طور پر بدل دیا گیا ہو۔ وہ فرض نیکی سچائی، آزادی، انصاف اور اس جیسی دوسری اقدار کا مفہوم غلط سمجھ گیا اور وہ مفہوم وہی ہوگا جو اس کا غلط نسب العین تلقین کرے گا۔ پھر ان حقائق سے ماہر تعلیم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس تصور کی بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلیم کے بغیر وہ اس بات کی توقع نہیں کر سکتا کہ طالب علم میں عالمگیر اصول اخلاق کے مطابق عمل کرنے کا ملکہ پیدا ہوگا۔

ہم میں سے بعض کا خیال ہے کہ اسلامی نظریہ زندگی کے مطابق تعلیم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اخوت، مساوات اور رواداری ایسی اسلامی اقدار کو نظام تعلیم میں داخل کر دیا جائے بیشک اگر اخوت، مساوات، اور رواداری کے اقدار کو اسلامی نقطہ نظر سے سمجھا جائے تو وہ اسلامی اقدار ہیں۔ لیکن جب تک نظام تعلیم کے اندر خدا کے تصور کو غائب لا اعلان داخل نہ کیا جائے اور طالب علم کے دل میں اس تصور کی محبت کو درجہ کمال پر نہ پہنچایا جائے اس وقت تک ناممکن ہے کہ طالب علم ان اقدار پر عمل کرنا تو ایک طرف ان کی روح سے بھی آشنا ہو سکے۔

پھر ایک ماہر تعلیم کو ان حقائق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ طالب علم کی تربیت اس وقت تک ناقص رہیگی جب تک کہ وہ اسے خودی کے تقاضائے حسن کو ہر اس طریق سے مطمئن کرنے کے مواقع بہم نہ پہنچائیگا جو خودی کے فطرتی نفسیاتی رجحانات کے اندر مقرر ہو چکا ہے مثلاً یہ کہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ تصور حسن کی سستائش اور پرورش کے مواقع بہم پہنچائے تصور حسن کی ضروریات کے ماتحت اور اسکی بہتر خدمت اور اعانت کیلئے طالب علم کو ضروری حد تک ضروری علوم سے آشنا کرائے۔ طالب علم کے اخلاق کی تربیت اس طرح سے کرے کہ اس میں صفات باریتائے کائنات کا عکس نمودار ہو اور اسے طرز بود و باش میں حسن و جمال

کے اظہار کی راہنمائی کرے اور پھر ان حقائق سے ماہر تعلیم کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مغرب کے
 حمد نظام اُسے تعلیم جن میں سے ایک اس ملک میں رائج ہے سب کے سب غلط ہیں۔ کیونکہ
 ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو صحیح نصب العین پر مبنی ہو۔ زندگی کے غلط نصب العین جہاں
 جہاں موجود ہیں غلط تعلیم کا نتیجہ ہیں اور غلط تعلیم جہاں جہاں موجود ہے غلط نصب العین
 کی محبت پیدا کر رہی ہے۔ ہر نصب العین سے ایک مخصوص نظام تعلیم نکلتا ہے اور
 ہر نظام تعلیم ایک مخصوص نصب العین کی محبت پیدا کرتا ہے۔

فطرت انسانی کے ان حقائق کی بنا پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم موجودہ نظام
 تعلیم کو موقوف کر کے اسکی جگہ نئے الفور ایک نیا نظام تعلیم نافذ کریں جو زندگی اور تعلیم کے
 صحیح نصب العین یعنی فوری کے نصب العین پر مبنی ہو۔ تعلیم کے معاملہ میں ایسے لوگوں کا نتیجہ
 کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ جواز نہیں جنہوں نے گو فن تعلیم اور فلسفہ تعلیم
 کے متعلق بہت سا لٹریچر پڑا کیا ہے لیکن جو اس کے باوجود تعلیم کے صحیح مقصد اور
 مدعا سے بے خبر ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص ایک خاص سفر کیلئے
 مہینوں سے تیاریاں کر رہا ہو لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے جانا کہاں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
 وہ ایک ایسی ٹرین میں سبھٹ جائے جو اس کی منزل مقصود سے بالکل برعکس سمت میں جاتی
 ہو۔ جب تک تعلیم کا صحیح مقصد معلوم نہ ہو اس وقت تک اگر تعلیم کے موضوع پر ہزاروں
 کتابیں بھی لکھی جائیں تو بے کار ہیں۔

مغرب کے لوگوں نے اگر تعلیم کو مذہب سے الگ کر دیا ہے تو ان کے پاس اس کے
 مغرب میں مذہب اور تعلیم | سوائے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ مذہب جب مغرب کی کسی
 کے افست ارق کی وجہ | قوم کے نصب العین حیات کا جزو نہیں تو کس طرح سے ممکن تھا
 کہ وہ ان کے نظام تعلیم کا جزو ہوتا۔ مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کے بعد مغربی
 قوموں کے لئے ممکن نہیں تھا۔ کہ وہ اسے زندگی کے کسی شعبہ میں اپنے ساتھ رکھتے۔

ان کے ہاں مذہب اور تعلیم کا افتراق مذہب اور سیاست کے افتراق کا لازمی نتیجہ ہے اور مذہب کو سیاست سے الگ کرنے پر وہ اس لئے مجبور ہو گئے تھے کہ ان کا مذہب عیسائیت ان منظم جماعتوں کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھا جنہیں ریاستیں کہا جاتا ہے انہوں نے مذہب کو سیاست سے اس وقت مجبوراً الگ کیا جب کلیسا اور ریاست کے طویل جھگڑوں نے یہ بات پوری طرح سے ثابت کر دی تھی کہ دونوں کا یکجا رکھنا بے سود بلکہ ناممکن ہے۔ بعض وقت یورپ میں کلیسا اور ریاست کے انفصال کو ہم مکینا ولی (Machia Yelli) کے فلسفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس نے حکمران کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر ریاست کے اندرونی اور بیرونی انتظام کے لئے ضروری ہو تو وہ ہر قسم کی مذہبی اور اخلاقی قیود کو توڑ کر جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن دراصل یورپ میں مکینا ولی کے فلسفہ کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہوا جب یورپ کی قومیں اسے قبول کرنے کے لئے پہلے ہی پوری طرح سے آمادہ ہو چکی تھیں۔

لیکن زندگی کا وہ تصور جو ہمیں اسلام نے دیا ہے عیسائیت کے تصور سے بہت مختلف ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے سیاست نہ صرف اس کے مطابقت رکھتی ہے بلکہ وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتی پھر ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم تعلیم کے بارے میں ہی نقطہ نظر اختیار کریں جو مغربی قوموں کو عیسائیت کے نقائص کی وجہ سے اختیار کرنا پڑا ہے مغرب کے ماہرین تعلیم کے لئے مذہب اور تعلیم کو ہم رکھنا ایسا ہی مضحک ہے جیسا کہ ہمارے لئے مذہب اور تعلیم کو جدا رکھنا۔

اگر ہم راج الوقت نظریات زندگی مثلاً اشتراکیت، جمہوریت، قومیت وغیرہ کا ہر قوم کا سیاسی نظریہ بغور مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ایک قوم اس کا معیو بناتا ہے کالقب العین حیات اس کی زندگی کے تمام شعبوں پر حکومت کرتا ہے اس کا نظام قانون، نظام سیاست، نظام تعلیم، نظام معاشیات، غرضیکہ اسکی

زندگی کے تمام اعمال اس کے ماتحت تشکیل پاتے ہیں وہ ان کی خدمت کے لئے وجود میں آتے ہیں اور ہر ان ان کی خدمت کے لئے وقف رہتے ہیں غرض ایک قوم کا نصب العین حیات ایک ایسے معبود کا مقام حاصل کرتا ہے جو فی الواقعہ اس کی محبت پرستش اور اطاعت کا مرکز ہوتا ہے۔ یورپ کی تمام نام نہاد عیسائی قومیں اس وقت عملی طور پر جس خدا کی عبادت کر رہی ہیں وہ عیسائیت کا خدا نہیں اگرچہ یورپ کے لوگ اپنی زبان سے کبھی کبھی اس خدا کا نام بھی لیتے ہیں لیکن اصل اب ان کا یقین اس کے اٹھ گیا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ان کی عملی زندگی کے کسی حصہ پر اس کا تسلط باقی رہے۔ لہذا انہوں نے اسے زندگی کے ہر شعبہ سے خارج کر دیا ہے اور اب ان کی زندگی کے کسی پہلو کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا اب عیسائیت کے خدا کی بجائے یورپ کے قوموں نے اور معبودوں کو اختیار کر لیا ہے اور وہ ان کے سیاسی نظریات ہیں۔ اس وقت یورپ کی ہر قوم کا سیاسی نظریہ یا معبود الگ ہے اب بائبل کے خدا کی حقیقت ان کے نزدیک اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ان کے اصلی بود یعنی سیاسی نظریہ کے خدام کی حیثیت سے ہے تاکہ جب ضرورت پڑے اور جس حد تک ممکن ہو وہ اس کا نام لے کر اپنے اصلی معبود کے راستہ کی مشکلات کو آسان کر لیں۔

ہر قوم اپنا فلسفہ تعلیم یا نظریہ تعلیم اس طرح سے بناتی ہے کہ وہ ان کے نظریہ تعلیم یا نظریہ زندگی کے ماتحت وجود میں آتا ہے۔ زندگی کی مناسب خدمت کر سکے اور ان کی عملی زندگی کے معبود کے تقاضوں کو پورا کر سکے یورپ کے نظریات تعلیم جو مختلف یورپی قومیتوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آئے ہیں ہمارے نظریہ زندگی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے جس طرح ان کے نظریات زندگی غلط ہیں اسی طرح ان کے نظریات تعلیم بھی غلط ہیں غرضی کے نظریہ حیات بلند تر اور صحیح تر نظریہ حیات انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔

کیونکہ حق تمام کی ذات تمام کمالات معنوی کا مجموعہ ہے اور اس کے حسن و کمال کی انتہا نہیں۔ لہذا جو نظریہ تسلیم خودی کے تصور پر قائم کیا جائیگا وہ صحیح ترین ہوگا۔

پھر تمام غلط نظریات زندگی ناقصی بخش ہونے کی وجہ سے ناپائدار ہیں اور تاریخی انسانی کے جلد گزر جانے والے مراحل ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر نظریہ زندگی ایک نہ ایک دن کسی فوری سیاسی انقلاب کی وجہ سے یا ایک تدریجی اسطراط کی وجہ سے ختم ہو جائے۔ انسان ایسے تصورات زندگی سے جو اس کی خودی کی ضروریات کو پورا نہ کر سکتے ہوں۔ مکمل اور مستقل طور پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ نفس یا انسانی کے ٹھوس حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ارتقاء سے کائنات کی قوتیں جن کے عمل سے کائنات فتنہ رفتہ کال سے کال تر ہوتی جا رہی ہے۔ بالآخر ہر غلط نظریہ زندگی کو مٹا دیگی اور صرف خودی کا نظریہ حیات رٹے زمین پر باقی رہ جائیگا۔ قرآن میں یہ پیش گوئی موجود ہے اور علمی حقائق اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری قوم اپنے صحیح اور کامل نظریہ زندگی کی وجہ سے ارتقاء کی انتہا پر ہے اور دوسری قومیں ارتقاء کے راستے پر قدم بقدیم ہمارے پیچھے چلی آتی ہیں اور آخر کار ہماری قیادت قبول کرنے پر مجبور ہوں گی۔

کس قدر افسوس ہے کہ ہم قوم عالم کی راہ نمائی کے اس مغز مقام کو جس پر قدرت نے ہمیں فائز کیا ہے دوسروں کے سپرد کر دیں اور تسلیم اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں خود ان کی دستیگری کرنے کی بجائے یہ اس لگاؤ سے بیٹھے رہیں کہ وہ ہماری دستیگری کریں گے جو لوگ انسانی زندگی کے مقصد سے نا آشنا ہیں وہ تسلیم کے باسے میں ہماری راہ نمائی کیونکر کر سکتے ہیں۔

صحیح نظریہ زندگی ایک ہے لیکن غلط نظریات زندگی لاتعداد ہیں اور چونکہ وہ لاتعداد صحیح نظریہ تسلیم کی ہیئت میں وہ نوع انسانی کو ایسے ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہیں جن میں امن اور ترقی کا ذریعہ | اخلاقی نقطہ نظر سے اشتراک عمل ممکن نہیں ہوتا۔ چونکہ ہر گروہ

یا قوم کا منابطہ اخلاق اس کے نظریہ زندگی سے پیدا ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ وہ
 ہر دوسری قوم کے منابطہ اخلاق سے الگ ہو۔ اس طرح غلط نظریات کی پرستش نوع
 بشر کیلئے بے اتفاقی، جنگ، خونریزی اور بالآخر مکمل تباہی اور بربادی کا موجب ہوتی
 ہے اس خطرناک صورت حال کا علاج فقط ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ نوع بشر ایک
 نصب العین حیات پر متفق ہو جائے۔ یہ نصب العین وہی ہو سکتا ہے جو صحیح اور کامل ہو
 لینے اس قابل ہو کہ خودی کے تقاضوں کو تمام و کمال پورا کر کے قوس کسی غلط نصب العین
 پر متفق نہیں ہو سکتیں اور اگر وہ متفق ہو جائیں تو ان کا اتفاق تا دیر قائم نہیں رہ سکتا
 اسکی وجہ یہ ہے کہ غلط نصب العین انسان کی فطرت کو مکمل طور پر مطمئن نہیں کر سکتا
 صرف صحیح نصب العین حیات ہی انسان کے لئے دائمی امن اور اطمینان اور ترقی اور
 فائز البانی کا ضامن ہے اگر ہم اپنا نظام تعلیم اس نصب العین کے مطابق بنائیں گے
 تو ہم ایک ایسی قوم تیار کرینگے جو اقوام عالم کو امن اور ترقی کا راستہ دکھا سکیگی۔
 تعلیم بذات خود نہ اچھی چیز ہے نہ بری۔ بلکہ صرف نظریات زندگی کی فادم ہے
 تعلیم قلب ہدیت کا اور تمام نظریات کی خدمت اور اعانت یکساں طور پر کرتی ہے،
 ایک بدست اجن ہے جب وہ صحیح نظریہ زندگی کی اعانت کرتی ہے تو اچھے نتائج پیدا
 کرتی ہے اور اچھی سمجھی جاتی ہے اور جب وہ کسی غلط نظریہ زندگی کی اعانت کرتی ہے
 تو برے نتائج پیدا کرتی ہے اور قبیح سمجھی جاتی ہے۔ اسی صورت میں وہ بیکار ہی نہیں
 بلکہ مضر اور خطرناک ہوتی ہے تعلیم اپنے اچھے یا برے نظریہ زندگی کی اعانت اس
 طرح سے کرتی ہے کہ وہ انسان کو اس کا معتقد بنا دیتی ہے اور اعتقاد کو اس قدر
 بختم کر دیتی ہے کہ وہ ایک مجنونانہ محبت یا عشق تک پہنچ جاتا ہے اور انسان کی ساری
 شخصیت کو جذب کر لیتا ہے پھر اس نظریہ زندگی کیلئے ہر قسم کی قربانیاں اور جانفشانی
 کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ لہذا ان اشخاص کے لئے جو کسی ملک کے تعلیمی

ذرائع پر پورا تصرف کئے ہوں نہایت آسان ہے کہ وہ نیکوں کا روں کے ایک گروہ کو اس طرح سے بدل دیں کہ وہ دنیا کے بدترین جرائم کا ارتکاب کرنے میں کوئی شرم یا ندامت محسوس نہ کریں یا بدکرداروں کی ایک جماعت کو نیکی کی محبت سے اس طرت متاثر کر دیں کہ ان کے کہ ان کے لئے بدی یا گناہ کا ارتکاب ناممکن ہو جائے سب کو معلوم ہے کہ جرمنی۔ اٹلی اور روس کے انقلابات کے ابتدائی مراحل میں ان ملکوں کے لوگ جدید انقلابی تصورات سے کقدر متاثر تھے بسکین رفتہ رفتہ تسلیم کے جادو نے ان کی ذہنیات کو یہاں تک بدل دیا کہ گزشتہ جنگ عظیم سے پہلے وہ ان تصورات کے لئے عظیم الشان قربانیاں کرنے کے لئے دل و جان سے تیار ہو گئے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ غلط نظریات زندگی کے پرستار تو تعلیم کی زبردست کل کو اس لئے اپنے کام میں لائیں کہ شر و فساد اور جنگ و جدال کی قوتوں کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہوتا ہے اور ہم صحیح نظریہ حیات کے ماننے والے ان کے شر انگیز نظام ہائے تعلیم کو ایک مخفی طفلانہ محبت اور ستائش کے جذبہ سے دیکھتے رہیں اور خود دنیا کو شر و فساد اور جنگ و جدال سے بچانے کے لئے اس زبردست کل کو حرکت میں نہ لائیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اور لوگ تعلیم کے طاقتور ایجن کی مدد سے دنیا کو تباہی کی طرف بے جا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسی ایجن کو ان کے غلات موڑ دیں۔ تاکہ دنیا تباہی سے بچ جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو اس طرح سے بدلیں کہ اس کی وجہ سے ہمارے دلوں میں صحیح نظریہ زندگی کی معقولیت اور غلطت اور اس کی والہانہ محبت کا جذبہ پیدا ہو۔ جب تک ہم خود اپنے نظام تصورات کی معقولیت اور غلطت کے قائل نہ ہوں گے، ناممکن ہے کہ ہم اس کی طرف دوسروں کو کامیابی سے دعوت دے سکیں۔

اسلامی تصورات خودی کی فطرت کے حقائق ہیں جو خودی کے کشش
تبلیغ کا طریق اور تعلیم | رکھتے ہیں اور خودی کی جستجوئے صداقت کا مدعا ہیں۔ لہذا اگر
ہم ان کو دنیا کے سامنے ٹھیک طرح سے پیش کرنے کا ڈھب سیکھ جائیں۔ تو
یقینی بات ہے کہ نوع انسانی انہیں فوراً قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیگی دنیا کو
اسلام کی طرف دعوت دینے اور اسلامی تصورات کی طرف دعوت دینے میں بڑا فرق ہے
اور اس مانہ میں ہمارے لئے اس فرق کی بڑی اہمیت ہے اگر ہم دنیا کو اس زمانے
میں اس کے امن و استحاد کی خاطر اسلام کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے
کہ ہم اس غرض کے لئے پہلے زمین کو ہموار کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے دنیا
کو اسلام کا نام لینے کے بغیر اسلامی تصورات کی طرف اس طرح سے دعوت دیں۔ کہ
لوگ ان کی نصرت اور معقولیت کا اعتراف کرنے لگ جائیں۔ غیروں کے سامنے اسلام کی
تبلیغ کرتے ہوئے ہمیں اسلام کا نام اس وقت لینا چاہیے جب ہم یہ کہنے لگیں کہ
اب ہماری تبلیغ سے ان کے اندر اسلامی تصورات کی نسبت اس حد تک پیدا ہو گئی
ہے کہ وہ ان تصورات کے آسمانی افادے یعنی قرآن کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں گے
اب تک اسلام کی تبلیغ کا جو طریقہ ہم نے اختیار کر رکھا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اسلام کو
ایک کل ۱۱۵۲ WII کے طور پر پیش کیا جائے یہ طریقہ اس زمانہ میں نہایت کامیاب
تھا جب اسلام کی بڑی بڑی روحانی شخصیتیں مثلاً حضور کے صحابہ یا اولیاء اور صوفیائے
کرام اسے کام میں لانے کے لئے موجود تھے، اور جب لوگ نسبتاً سادہ لوح اور
حق پسند تھے اب لوگ مذہب کے بیزار ہیں اور اسے ہوش و خرد کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس
زمانہ کے عقلیت زدہ لوگوں کو اسلامی افکار و آراء سے متاثر کرنے کا طریقہ یہ ہے
کہ ہم انہیں تدریجاً معروف سے غیر معروف کی طرف لائیں ان ہی کے مسلمات سے
آغاز کر کے جدید قسم کی علمی تحقیق اور نئے ڈھب کے عقلی استدلال کی مدد سے پہلے اسلامی

تصویرات کی طرف اور پھر ایک کل کے طور پر اسلام کی طرف غوت دیں اپنی قوم کو اسلام کی ایسی علمی اور عقلی تبلیغ کا اہل بنانے کے لئے ہیں ایک اسلامی نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔

اسلامی تصویرات کی تبلیغ جو اسلامی تعلیم اور تربیت پر موقوف ہے ہمارے لئے فقط تعلیمی مسئلہ زندگی اور اس دنیا پر ضروری نہیں کہ وہ دوسری قوموں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ موت کی اہمیت لکھتا ہے [بنیگی یا اس سے دنیا میں امن و اتحاد قائم ہو گا یا وہ ہمارے لئے سادت اخروی کا موجب ہو گی۔ گو اس میں شک نہیں کہ قوموں کی فلاح و بہبود اور دنیا کے امن و اتحاد کا دار و مدار ہماری تبلیغ پر ہے اور یہ تبلیغ ہمارے لئے سادت اخروی کا موجب بھی ہو گی لیکن اسلام اور اسلامی تصویرات کی تبلیغ کا مسئلہ خود ہمارے لئے اس دنیا میں بھی

زندگی اور موت کی اہمیت لکھتا ہے۔ اس کے بغیر بلکہ اس میں ڈھیل اور سستی کرنے سے بھی ہم ایک قوم کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر ہم دوسری قوموں کو مغلوب نہیں کریں گے تو یقینی بات ہے کہ ہم خود ذہنی طور پر ان سے مغلوب ہو جائیں گے۔ اور ذہنی غلامی ہمیشہ سیاسی غلامی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں قومیں اپنے نظریات زندگی کی بنا پر متحد ہو رہی ہیں ہر قوم چاہتی ہے کہ اپنے نظریہ زندگی کو ماننے والے افراد یا اقوام کی تعداد میں اضافہ کر کے اپنے آپ کو اور طاقتور بنائے اس غرض کے لئے وہ پراسگڑا کے تمام جائز یا ناجائز ذرائع کو کام میں لاتی ہے جس حد تک کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے نصب العین کے اثرات کو قبول کرتی ہے اس حد تک وہ خود کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی حریف قوم طاقتور ہو جاتی ہے اگرچہ وہ قوم اپنی کمزوری یا حریف قوم کی طاقت کا فوری احساس نہ کرے ہر قوم ہر دوسری قوم کی دشمن ہے اور اس کی قوت کو سلب کر کے اپنی قوت میں اضافہ کرنا چاہتی ہے اور لہذا اس کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ میں مصروف رہتی ہے قومیں تو بے تفنگ کے ساتھ تو شاذ و نادر ہی ایک دوسرے کے مقابلہ پر آتی ہیں لیکن

تصویرات کے آلات کے ساتھ وہ ہر آن اور ہر لمحہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں اور تصویرات کے حملے توپ تفنگ کے حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتے ہیں۔

ذہنی محاذ اور فوجی محاذ کا مقابلہ | جب ایک قوم ذہنی محاذ پر شکست کھا جاتی ہے تو خواہ اس کی فوجی طاقت کیسی ہی زبردست ہو وہ فوجی محاذ پر لڑنے کے قابل نہیں رہتی۔ بلکہ خود بخود ہتھیار ڈال کر دشمن کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی قوم ذہنی محاذ پر اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ دشمن کی فوج کو شکست دے لیتی ہے۔ اور اگر دشمن اسے فوجی لحاظ سے منسوب بھی کرے تو اس کا غلبہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا اس حقیقت سے ہتہ پلتا ہے کہ ذہنی محاذ فوجی محاذ کے مقابلہ میں کس قدر زیادہ اہم ہے کہا جاتا ہے کہ دشمن چرسہ کرنے میں پہل کرنا دشمن کے حملہ سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ ہے یہ اصول جس قدر فوجی محاذ کی صورت میں درست ہے اس قدر ہی ذہنی محاذ کی صورت میں بھی درست ہے اس اصل پر عمل کرتے ہوئے ہمارے دشمن مدت سے ہمارے خلاف اپنے تصویرات کے حملہ کو شروع کر چکے ہیں۔ اگر ہم اس حملہ کا مؤثر جواب دیں تو ہماری زندگی خطرہ میں رہے گی۔ اپنی قوم کو دوسری قوموں کے غلط تصویرات کے تباہ کن اثرات سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم فوراً دوسری قوموں کے خلاف علمی اور عقلی تصویرات کے پرامن آلات کے ساتھ جارحانہ کارروائی کا آغاز کریں اور جب تک ہمیں مکمل غلبہ حاصل نہ ہو جائے اسے متواتر جاری رکھیں مدد ملان کے تصویرات کا اثر ہمارے اعتقاد اور یقین کو سلب کرتا چلا جائے گا۔ اور ہم ذہنی اور سیاسی لحاظ سے کلیتہً منسوب ہو جائیں گے۔

ذہنی محاذ پر غیروں کا | ذہنی کارزار میں غیور اپنی پوری قوت کے ساتھ اترنے میں غلبہ جاری ہے | پس پیش کرنے کا سبب یا تو ہماری لاعلمی ہے کہ ہم جانتے ہی نہیں

کہ ہم پر کوئی دشمن مسلہ آور ہو رہا ہے اور ہمیں اپنی محافظت اور مدافعت کی ضرورت ہے اور یا پھر ہم اس حملہ کے ممکن نقصانات کا اندازہ ہیں کر سکتے اور اپنے آپ کو اس قدر مضبوط اور مستحکم سمجھتے ہیں کہ کسی مدافعت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اس وقت ہماری قوم میں ہیں قدر خطرات موجود ہیں وہ غیر اسلامی نظریات کے اثر کا نتیجہ ہیں اشتراکیت، قومیت پرستی، نسل پرستی اور صوبہ پرستی کے امراض جس حد تک ہمارے ملک میں پلے ہوئے ہیں ان کے پھیلنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلامی تقورات کی محبت سے محروم ہو گئے ہیں کیونکہ اب تک اس محبت کی رو کو تازہ بہ تازہ جبرمت کے ہر ایک حصہ تک پہنچاتے رہنے کے لئے ہمارے پاس کوئی نظام تسلیم موجود نہیں تھا اور جس حد تک ہم اسلامی تقورات کی محبت سے محروم ہوئے ہیں اسی حد تک غیر اسلامی تقورات کی محبت ہمارے دل میں متمکن ہو گئی ہے۔

اگر ہم نے اپنے ملک کے لئے ایک اسلامی نظام تسلیم کی تیسری دیر کی تو ہم اعتقادی اور اخلاقی لحاظ سے دن بدن کمزور ہوتے پلے جائیں گے، کسی قوم کی اعتقادی یا اخلاقی قوت یعنی نصب العین کی محبت اسکی تمام قوتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے اس پر قوم کی وحدت اور تنظیم کا دار و مدار ہوتا ہے اور اسی کی بنیادوں پر قوم کی فوجی اور اقتصادی قوتیں تعمیر پاتی ہیں اگر نصب العین کی محبت کمزور ہو جائے تو قوم کی ساری قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

ہم چاہیں یا نہ چاہیں لیکن ہم دوسری قوموں کے ساتھ ایک ایسی دوڑ میں شریک ہیں ذہنی غلبہ کی دوڑ جس میں ہر قوم نے جان کی بازی لگا رکھی ہے جو قوم اس دوڑ میں مار جائے اسکی سزا یہ ہے کہ اسے مٹا دیا جاتا ہے اور جو جیت جائے اس کا انعام یہ ہے کہ دوسری قومیں اس کی غلام بنا دی جاتی ہیں۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہم اس دوڑ میں جیت رہے ہیں یا ہار رہے ہیں ہر دوڑ کی طرح اس دوڑ میں بھی وقت کا پہلو نہایت اہم ہے جو قوم وقت ضائع کرے گی خواہ وہ کسی ہی طاقتور ہو ضرور ہار جائیگی۔ اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ دوسروں کے تصورات اور معتقدات کا سیلاب ہمیں گھیرتا چلا جائیگا اور اگر ہم نے عجلت سے کام لیا تو ہم نہ صرف اس سیلاب سے محفوظ رہیں گے۔ بلکہ ہمارے اعتقادات و تصورات کا سیلاب سروس کو اپنے گھیرے میں لے لیگا۔ افسوس ہے کہ ہم نے ابھی تک استیلا کو پوری طرح سے نہیں سمجھا۔ کہ تعلیم کا معاملہ محض تعلیمی نوعیت کا نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کا ہے اور ہماری زندگی اور موت اس کے ساتھ وابستہ ہے۔

کسی قوم کی تاریخ میں زندگی اور موت کو پیدا کرنے والے عوامل کے اثرات چند ذہنی غلامی شائبہ | سالوں بلکہ بعض وقت چند صدیوں میں بھی نمودار نہیں ہوتے۔ لیکن سیاسی غلامی اور موت کے | اس کے باوجود یقینی طور پر نمودار ہوتے ہیں اور ان کا اثر دیکھا نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی قوم زندہ ہو رہی ہے تو کوئی مخالفت نہیں کہ دنیا اس کی زندگی اور طاقت کا مشاہدہ آج کرے یا چند صدیوں کے بعد۔ دنیا ضرور اس کی زندگی اور طاقت کا مشاہدہ کرے گی۔ اسی طرح سے اگر کوئی قوم مر رہی ہے تو یہ معمولی بات ہے کہ لوگ اس کی موت کا نظارہ آج دیکھیں یا چند صدیوں کے بعد اس کی موت لا محالہ دنیا کے سامنے آجائے گی۔ ہمیں بکھینا چاہیے کہ ہم مر رہے ہیں یا زندہ ہو رہے ہیں۔ دوی صورتیں ممکن ہیں یا ہم اپنے اعتقادات کی حفاظت نہ کرنے سے ذہنی طور پر دوسروں کے غلام بن جائیں گے اور پھر ہماری سیاسی آزادی میں خطرہ میں پڑ جائے گی اور یا پھر ہم اپنے معتقدات نے دوسروں کو ذہنی طور پر منسوب کر کے ان کی سیاست پر غالب آجائیں گے موت اور زندگی اور غلامی اور آزادی کی راہوں کے درمیان دنیا کی کسی قوم کے لئے کوئی مقام نہیں۔ ہمیں بکھینا چاہیے کہ ہمارا رخ کس طرف ہے۔ ذہنی آزادی کی طرف یا ذہنی غلامی کی طرف؟ زندگی کی طرف یا موت کی طرف؟ اگر آزاد ہونے کے بعد اب بھی ہم اپنے نظام تسلیم کو بدل کر اپنے نظریہ زندگی کے مطابق نہیں بنا سکے تو ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نہایت ہی دلخراش اور اندوہناک ہے۔

کسی قوم کا امتیازی نشان جو اسے دوسری قوموں سے الگ ایک قوم بناتا ہے اور اس کی ہستی کا ثبوت ہوتا ہے اس کا اعتقاد یا اس کا تصور حیات ہی ہوتا ہے۔ غلامی اصل میں ذہنی غلامی ہے اور آزادی ذہنی آزادی۔ جو قوم سیاسی غلامی کے باوجود اپنے نظریہ زندگی پر قائم رہ سکتی ہے اور اسے فی الواقعہ اپنے فکر و عمل کا دار و محور بنا سکتی ہے۔ وہ درحقیقت آزاد ہے اس کے برعکس سیاسی آزادی کے ہوتے ہوئے جس قوم کے فکر و عمل کی بنیاد غیروں کے معتقدات پر ہو وہ آزادی کے باوجود غلام ہے سیاسی آزادی کسی قوم کے نزدیک مقصود الذات نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر قوم سیاسی آزادی کو اپنی ذہنی آزادی کی خاطر حاصل کرتی ہے۔ خود ہم نے پاکستان کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں دیں اسکی وجہ یہ تھی کہ ہم چاہتے تھے کہ اپنے نصب العین حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہم ہندوؤں سے الگ ایک قوم ہونے کے مدئی اس بنا پر ہیں کہ ہمارا تصور حیات ہندوؤں کے تصور حیات سے مختلف ہے جس طرح سے ہر قوم کی آزادی ذہنی آزادی ہے اسی طرح سے ہر قوم کی شکست ذہنی شکست ہے اور فتح ذہنی فتح ہے، کوئی قوم فوجی شکست سے اس وقت تک پریشان نہیں ہوتی جب تک کہ اسے یقین نہ ہو کہ اس کا نتیجہ ذہنی شکست ہوگا اور کوئی قوم فوجی فتح سے اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتی جب تک کہ اسے یقین نہ ہو کہ اس کا نتیجہ ذہنی فتح ہوگا۔ لیکن قوموں کی قسمتی یا خوش قسمتی سے فوجی شکست ہمیشہ ذہنی شکست پر اور فوجی فتح ہمیشہ ذہنی فتح پر ختم ہوتی ہے۔

جب کوئی قوم دوسری قوم پر فوجی لحاظ سے غلبہ حاصل کرتی ہے تو وہ سب سے فوجی فتح کا مقصد پہلے اس کا نظام تعلیم موقوف کر کے اپنا نظام تعلیم اس پر ٹھونسکتی ہے ذہنی غلبہ ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط جماتے ہی ہندوستان میں ایک نیا نظام تعلیم جاری کیا جو ان کے اپنے مقاصد کے مطابق تھا۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک کثیر تعداد مغربی معتقدات سے متاثر ہے۔ یہی انگریز

نظام تعلیم اب تک ہم پر مستطجلا آتا ہے پھر گزشتہ جنگ عظیم کے بعد اتحادیوں نے جاپان
جرمنی اور اٹلی پر قبضہ کیا تو انہوں نے بھی سب سے پہلے ان ملکوں کا نظام تعلیم ہی بدل
پھر جب ایک ہی قوم کے اندر کوئی نئی پارٹی جو ایک نئے نظریہ زندگی پر اعتقاد رکھتی ہو
مخالفت پارٹی کو شکست دے کر اندرونی انقلاب بپا کرتی ہے تو برسرِ اقتدار آنے
کے بعد اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک کے نظام تعلیم کو بدل دیتی ہے پہلے
موسلینی اور لینن کے پیلے ہوئے انقلابات کے بعد یہی ہوا۔ فاتح قوم یا فاتح
پارٹی بجا طور پر سمجھتی ہے کہ جب تک مفتوح قوم یا مفتوح پارٹی اپنے معتقدات پر جمی
ہوئی ہے اس کی فتح مکمل نہیں ہوئی اور ہر وقت شکست میں بدل سکتی ہے۔ یہ
واقعات فطرت انسانی کے جن حقائق کا پتہ دیتے ہیں ان کی روشنی میں ہمیں سوچنا چاہیے
کہ ہندوؤں کے خلاف ہماری آزادی کی مہم جس کا ایک نتیجہ قیام پاکستان کی صورت میں ظاہر
ہوا تھا مکمل طور پر کامیاب ہو گئی ہے یا نہیں۔ اور کیا اسے جس قدر کامیابی اب تک
حاصل ہوئی ہے وہ محفوظ ہو گئی ہے یا نہیں۔ بلا تردید میرا جواب یہ ہے کہ اس مہم کی کامیابی
مہوز مکمل نہیں ہوئی اور جس قدر کامیابی اسے اب تک حاصل ہوئی ہے وہ بہت ہی کم ہے
اور ہر وقت شکست میں بدل سکتی ہے۔

ہر شخص میں اس کی خودی کی فطرتی محبت جو تصور حسن یا نصب العین کے لئے مخصوص
تعلیم کا مقصد محبت نصب العین ہوتی ہے ایک خاص مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ اس محبت
کو کمال پر پہنچانا ہے | کی مقدار مختلف اشخاص میں بالعموم ان کی ذہانت کی نسبت سے
مختلف ہوتی ہے جس قدر کوئی شخص زیادہ ذہین اور تیز فہم ہوتا ہے اسی قدر وہ اپنے
نصب العین سے زیادہ شدید محبت کر سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ذہین لوگوں کے
جذبات زیادہ تیز اور قوی ہوتے ہیں۔ چونکہ خودی کی محبت کی مقدار محدود ہے اس کا
جس قدر حصہ ایک مقصد کے لئے صرف کرے گی دوسرا مقصد جو اس کے ماتحت نہ ہو بلکہ

اس سے متناقض اور مختلف ہو۔ اسی حد تک اسکی محبت سے محروم ہو جائیگا۔ خودی کی تربیت کے ابتدائی مراحل میں خودی کی محبت ایک سے زیادہ تصورات کے درمیان منقسم ہوتی ہے اور تصور کی محبت کمال کے اس درجہ پر نہیں ہوتی جو خودی کی فطرتی استعداد محبت کی رو سے اس کے لئے پانا ممکن ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ ایک تصور خودی کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے اس تصور کی محبت ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسی نسبت سے دوسرے تصورات کی محبت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی محبت اپنی انتہا پر پہنچ جاتی ہے اور دوسرے تصورات کی محبت مٹ جاتی ہے جب یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو انسان کو ایک تربیت یافتہ متحد اور منظم شخصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ہر نظام تعلیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس نظریہ زندگی کے ماتحت وہ وجود میں آیا، اسکی محبت کو نقطہ کمال پر پہنچائے اور دوسرے مخالف تصورات کی محبت کو کلیتہً مٹا دے تعلیمی عمل کے دو پہلو ہیں ایک کسی مخصوص تصور کی محبت کو ترقی دینا اور دوسرا اس کے مخالف تصورات کی محبت کو مٹانا اور یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے مؤید ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم اور ملزوم ہیں۔ اگر ہم ایک کو نظر انداز کریں تو دوسرا خود بخود نظر انداز ہو جاتا ہے مخالف تصورات کی محبت کا کم ہونا اور موافق تصورات کی محبت کا ترقی کرنا ایک ساتھ اور بیک وقت عمل میں آتا ہے جس طرح سے ترازو کے ایک پلڑے کے اوپر اٹھنے سے دوسرا پلڑا خود بخود نیچے گرتا ہے جس قدر مخالف تصورات کی محبت کم ہوگی۔ اسی قدر موافق تصورات کی محبت ترقی کریگی اور اس کے برعکس جس قدر مخالف تصورات کی محبت زیادہ ہوگی اسی قدر موافق تصورات کی محبت کم ہوگی جب تک ہمارے ہر فرد کے دل میں اس کے اپنے نظریہ زندگی کی محبت کمال کے اس نقطہ پر نہ پہنچ جائے جو اس کی فطرتی صلاحیتوں نے مقرر کر رکھا ہے اس وقت تک ہم دوسرے تصورات اور اعتقادات کو اپنی محبت میں شریک کرتے رہیں گے اور اس وقت تک کمزور اور غیر متحد اور غیر منظم رہیں گے۔

ان حقائق کی بنا پر ضروری ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اس قسم کا ہو جس سے نہ صرف طالب علم کے دل میں صحیح تصور کی محبت نشوونما پائے بلکہ جس کے ماتحت غلط اور مخالف تصورات کی محبت کا فروغ ناممکن ہو جائے اس غرض کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم کچھ غرضہ کے لئے ان تصورات کے اثر کو کسی راستہ سے بھی طالب علم تک پہنچنے نہ دیں۔ اور پھر جب طالب علم کو ان تصورات سے واقف کرنے کا وقت آئے تو ان کے مخالفانہ اثر کو باطل کرنے کے لئے اس کو ان کی غلطیوں اور خامیوں سے واقف کریں۔

ہر چیز جو مدرسہ کی فضا کی تشکیل میں حصہ لیتی ہے۔ خواہ ہمارے نزدیک کیسی ہی طالب علم کے ماحول معمولی اور ناقابل اعتنا ہو طالب علم کی نصب العین تعلیم کا ذریعہ بنتی ہے اگر تشکیل ہم اسے اپنے تصور زندگی کی تعلیم کے لئے کام میں نہ لائیں گے۔ تو وہ خود بخود دوسرے غلط اور مخالف تصورات زندگی کی تعلیم کا ذریعہ بن جائیگی آخر کار نہ صرف مدرسہ کی فضا بلکہ طالب علم کی زندگی کا سارا ماحول اس کی نصب العین تعلیم (educational environment) کا ذریعہ بنتا ہے۔ لہذا اگر ہم اس کو صحیح نصب العین حیات کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم اس کے سارے ماحول کو نصب العین کے مطابق بنائیں اس ماحول کا سب سے بڑا جزو خود ریاست ہے جب تک ریاست کی ساری سرگرمیاں نصب العین کیلئے وقف نہ ہوں گی بعض مدرسہ کی فضا کو نصب العین رنگ دینے سے طالب علم کی محبت نصب العین اپنے کمال پر نہ پہنچ سکے گی۔ جب وہ مدرسہ کی فضا سے باہر آئے گا تو گھر، بازار، کلب، مجلس، سینما، ریڈیو، بیس اور پلیٹ فارم (Platform) سب تیار ہونگے کہ اس کی شکل سے جمع کی ہوئی محبت کو دوسرے تصورات کے سپرد کر دیں۔ طالب علم کے ماحول کو ممکن حد تک تصرف میں لانے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ رہائشی مدرسوں (Residential schools) کے ذریعہ سے اس کے دن رات کے تمام مشاغل کی نگرانی کی جائے لیکن رہائشی ادارات تعلیم طالب علم کے سارے ماحول کو نصرت

میں نہیں لاسکتے جب تک کہ خود ریاست اپنی ساری سرگرمیاں کلیتہً نصیب العین کے لئے
وقت نہ کر دے۔

میرے اس فقرے پر کہ ہمارے لئے ضروری ہوگا، کہ ”ہم کچھ عرصہ کے لئے مختل
آزاد رائے اور غلط تصورات کے اثر کو کسی راستے سے بھی طالب علم تک پہنچنے نہ
رواداری کے اصول“ دیں، شاید وہ حضرات جو آزاد رائے کے متعلق بعض مغربی اقوام
کے غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہیں چینجیں ہوں کہ یہ تو وہی انسان کی ذہنی نشوونما کو روک
دینے والی غلامی ہے جو بعض فسطائی حکومتوں نے لوگوں پر مسلط کر رکھی ہے لیکن اصل بات یہ ہے
کہ ہر قوم آزاد رائے کا نام اسی وقت تک لیتی ہے جب تک کہ وہ اپنی لاشعری کی وجہ سے
غلط اور صحیح رائے میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور نہیں جانتی کہ کون سی رائے اس کے
قومی نصیب العین کو کمزور کرنے والی ہے اور کون سی نہیں اور سچ بات یہ ہے کہ اس وقت
تک ہر قوم خود اپنے نصیب العین حیات کی رو سے آزاد رائے کا ڈھنڈورا پیٹنے
میں حق بجانب بھی ہوتی ہے اور اسے اس کا ڈھنڈورا پیٹتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک
کوئی شخص اپنی منزل مقصود کو نہیں پہچانتا اور نہیں جانتا کہ وہ کس سمت کو چل کر وہاں
پہنچ سکتا ہے اس وقت تک اگر وہ چلتے چلتے کسی رکاوٹ سے ٹھوکر کھا کر دائیں یا بائیں
طرف مڑ جائے یا مخالف سمت میں چلنے لگ جائے تو اسے شکایت کا حق نہیں پہنچتا
اور نہ ہی اس کے دل میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے۔

تمام قوموں سے زیادہ جمہوریت اور آزادی کا نام لینے والی قوم امریکہ ہے لیکن
آج امریکہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اشتراکیت کا تصور اس کے نصیب العین حیات کا مخالف ہے۔
لہذا آج امریکہ کی حکومت ان امریکیوں کے ساتھ جنکے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ
اشتراکی اوکھڑکیا تھ مہمدی رکھتے ہیں جو بتاؤ کر رہی ہے وہ دنیا کے سامنے ہے
میرالڈ جے لاسکی Harold J. Lasswell سچ کہتا ہے کہ اگر روسی جمہوری سرمایہ داری

انکار کو بڑھ و تصورات کے نام سے دیا جاتا ہے تو امریکہ اشتراکی انکار کو بے راہ
روسی (FICENCE) کے نام سے دیا جاتا ہے آزادی رائے دراصل دونوں کے ہاں
منفوق ہے۔

جب آئنسٹائن (Einstein) جرمنی سے بھاگ کر امریکہ آیا تو امریکہ کے نام
بہاد جہوریت اور آزادی کے پرستاروں نے شور بپا کر دیا کہ ہٹلر کی جرمنی میں سائنس دانوں
کو بھی آزادی حاصل نہیں۔ لیکن اب وہی آئنسٹائن ہے جو اشتراکیت فوادی کے لازم
میں امریکی حکومت کے زیر غتاب ہے گزشتہ فروری کے مہینہ میں امریکی حکومت نے
ڈاکٹر بولس (Dr. Bole) ایک مشہور امریکی پروفیسر اور مصنف کو اس الزام میں
پکڑ لیا تھا۔ کہ وہ مرکز اطلاعات امن امریکہ (Peace Information Centre
of U. S. A.)

کا صدر رہ چکا ہے اور حال ہی میں حکومت انگلستان نے ایک
روسی فلم ڈائریکٹر اور ایک چینی شاعر کو اس بنا پر انگلستان آنے کی اجازت نہیں دی
کہ وہ انگلستان کی مجلس امن (British Peace Committee) کے ایک
اجلاس میں بطور مندوبین کے شریک ہو رہے ہیں۔ ہم مغرب کے پراومرگہ پٹا سے بہت
جلد فریب کھا جاتے ہیں کوئی قوم مشرق میں رہتی ہو یا مغرب میں اپنی فطرت کے خلاف
کچھ نہیں کر سکتی۔ دنیا کی کوئی قوم اپنے لضب العین حیات کے خلاف کوئی اقدام
گوارا نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ اپنوں کی طرف سے ہو اور خواہ بیگانوں کی طرف سے
اور نہ ہی اسے گوارا کرنا چاہیے۔

جو افکار و آرا صحیح تصور حیات کے نفیض اور مخالف ہوں اور ان سے لوگوں
کے اعتقاد اور یقین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم ان کی نشرو اشاعت
کو سختی سے روک دیں ہر راہ عمل خواہ انسان اسے دوسروں کے دباؤ کے بغیر خود
بخود اختیار کرے آزادی کی راہ نہیں ہوتی۔ فرد کو آزادی صرف ایک راہ پر حاصل

ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ باقی جس قدر راہیں ممکن ہیں وہ رعنائی کی راہیں ہیں۔
 آزادی کا راستہ وہی ہے جس پر چل کر خودی اپنے فطرتی نفسیاتی رجحانات کو مطمئن
 کر سکتی ہے جو اسکی تربیت اور ترقی کا راستہ اور مکمل تصور حسن کی جستجو کا راستہ ہے
 جو یہی کہ خودی اس راستہ کو چھوڑتی ہے خواہ وہ اسے خود بخود بغیر کسی باؤ کے چھوڑے وہ
 اپنے مخالف تصورات کی غلام ہو جاتی ہے گو وہ اپنی جہالت سے اسے آزادی ہی سمجھتی
 ہے۔

اگر ہم نارواداری کا صحیح استعمال جانتے ہوں تو وہ مفید ہے مضر نہیں تعلیم کا
 حاصل یقین اور اعتقاد کی نشوونما ہے یہ کشتی بڑی غلطی ہے کہ ہم ایک طرف سے یقین و
 اعتقاد کی تعمیر کریں اور اسکی تعمیر کیلئے سو طرح کی مصیبتیں اٹھائیں اور دوسری طرف سے
 جو کچھ تعمیر کریں اسے گراتے چلے جائیں۔ اس بڑبڑا کی طرح جو دن بھر سوت کاتی ہے
 اور شام کو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے نارواداری تعلیم ہی کا ایک جزو ہے اور
 اسی کا ایک پہلو ہے جس سے تعلیم کے فوائد محفوظ کئے جاتے ہیں اگر ایک فادرزہر نمونہ
 بھی ہو تو اس پر بھروسہ کر کے جسم کے اندر زہر کا ٹیکہ نہیں لگایا جاسکتا اگر ہم مریض کا
 علاج ضروری سمجھتے ہوں تو ہمیں پرہیز کو بھی ضروری سمجھنا چاہیے۔

در اصل اس وقت آزادی رائے اور نارواداری کے حق میں اور رعنائی رائے
 انسان ابھی خود شناسی اور نارواداری کے غلات جس قدر پراسگینڈا دنیا میں موجود ہے
 کے ابتدائی مراحل میں ہے اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ابھی تک انسان اپنے آپ کی واقفیت
 کے بالکل ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کی خودی کے اصلی
 اور صحیح تقاضے کیا ہیں اور نفسیاتی سطح حیات پر کونسی چیز اس کے لئے مفید ہے اور
 کونسی مضر آئندہ جب فطرت انسانی کے جسم کی ترقی سے یہ مشکل رفع ہو جائے گی۔
 اور اس بات کی واقفیت خواص کے دائرہ سے نکل کر عوام تک جا پہنچے گی کہ انسان کی زندگی

کا صحیح مفقود یا دوسرے نقطوں میں کامل ترین تصور حیات کیا ہے تو ہم افکار و آرا کے معاملہ میں فرد کی بہتری کے لئے اور نیز اس جماعت کی بہتری کے لئے جس کا وہ رکن ہے فرد کے ساتھ ضروری حد تک سختی کا برتاؤ کرنا اپنا مقدس فرض سمجھیں گے آج ہم کو حفظانِ صحت کے قوانین کی یقینی واقفیت حاصل ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم ان قوانین کا جبری نفاذ کرتے ہیں ایک مہذب ملک میں جو شخص شہر کی سڑک پر بنجاست پھینکتا ہوا پکڑا جائے اس کی جگہ قید خانہ تجویز کی جاتی ہے اور اسپر کسی کو تعجب نہیں ہوتا خودی کے علم کی ترقی کا ایک وراثہ اب بھی آنے والا ہے جب ہم خودی کی صحت اور تندرستی کے قوانین پر بھی اسی یقین اور اعتقاد کے ساتھ حاوی ہونگے جس طرح سے آج ہم صحت کی صحت اور تندرستی کے قوانین پر حاوی ہیں۔ پھر وہ شخص جو ایک مجمع عام میں قومی استماریت (National Imperialism) یا جدلی مادیت (Dialectical)

(Materialism) کے حق میں تقریر کرے گا۔ ہمیں ایسا ہی نظر آئے گا جیسے کوئی شخص شہر کی صاف ستھری سڑکوں پر بنجاست بکھیر رہا ہو۔ اور اگر اسے قید خانہ میں بھیج دیا جائے گا۔ تو کسی کو تعجب نہیں ہوگا۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم طالب علم کو تمام غیر اسلامی بیرونی تصورات سے الگ کر کے ایک ثقافتی جزیرہ کے اندر اس کی تربیت کریں۔ طالب علم کے لئے ضروری ہے باطل تصورات کے باطل کی واقفیت کہ وہ اپنی تعلیم اور تربیت کے ایک مرحلہ پر ہر قسم طالب علم کی تربیت کے لئے ضروری ہے کے اچھے اور برے تصورات سے تعارف پیدا کرے لیکن یہ اسی وقت ہونا چاہیے جب اس کے اپنے نصب العین کی محبت اور اس کی ذہنی قوتیں اس حد تک ترقی کر چکی ہوں کہ وہ غلط تصورات کو غلط اور صحیح کو صحیح سمجھ سکے۔ اور پھر استاد کو چاہیے کہ طالب کو نیک بد تصورات کا تعارف کرانے کے بعد نیک کو بد سے تمیز کرنے میں اس کی مدد کرے یعنی اس کی تحقیق و تنقید اور فہم

ادراک کی قوتوں کی رہنمائی اس طرح سے کرے کہ وہ خود بخود اچھے تصورات کو برے تصورات سے تمیز کر سکے۔ ہمیں ہر حالت میں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ غلط تصورات سے اس کے اپنے اعتقاد کو نقصان نہ پہنچے بلکہ اس کا اعتقاد اور مضبوط اور مستحکم ہو جائے اگر ہم اپنے لقب العین سے پیدا ہونے والے تصورات کے علاوہ باقی تمام لقب العینوں سے پیدا ہونے والے افکار و آرا کو کلیۃً مسدود کر دیں۔ تو طالب علم کی ذہنی نشو و نما رک جائے گی اور اس کے اپنے لقب العین کا علم بھی ترقی نہیں کرے گا اور اسکی تربیت پر بڑا اثر پڑے گا۔ صداقت کا علم کبھی اتنا واضح اور صاف نہیں ہوتا۔ جتنا کہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم صداقت کو دروغ کے مقابلہ پر لائیں اگر ہم تاریکی سے نا آشنا ہوتے تو روشنی ہمارے لئے ایک بے معنی چیز ہوتی۔ اس دنیا میں حق و باطل کی آمیزش ہر جگہ موجود ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو دونوں میں تمیز کرنے اور حق کو اپنانے اور باطل کو ترک کرنے کی طرف رہنمائی کریں۔

سیرت قومی کے نقائص | ہم میں سے بعض درودل رکھنے والے اشخاص جب اپنی قومی کا علاج سیرت کی کمیوں اور کوتاہیوں کو دیکھتے ہیں تو بہت کڑھتے ہیں

کیونکہ اس میں شک نہیں کہ دوسری قوموں کی نسبت ہم اپنی حیوانی یا جبلتی خواہشات کی خاطر قومی ملی یا نصب العینی مفاد کو نظر انداز کرنے کے لئے بہت جلد آمادہ ہو جاتے ہیں چنانچہ دوسری قوموں کی نسبت ہم میں غدار۔ رشوت خوار۔ دوست نواز۔ نسل پرست ، جاہ طلب ، صوبہ پرست ، خاندان پرست ، مسرت حرص اور اخلاق باختہ افراد کی تعداد زیادہ ہے۔ اگرچہ یہ صورت حال افسوسناک ہے لیکن ہمیں ناامید یا پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ سب ایک ہی مرض کی علامتیں ہیں اور ان کا علاج آسان ہے یہ مرض نصب العین کی محبت کا انحطاط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ غلامی کی وجہ سے ہم عرصہ دراز سے اپنی قوم کی تعلیم اور تربیت اپنی مرضی کے مطابق نہیں کر سکے اور لہذا

اسکی تعلیم و تربیت غلط طور پر ہوتی رہی ہے اور غلط تعلیم و تربیت کی وجہ سے ہماری قوم کے افراد کے دلوں میں ان کے اپنے لُغِبِ العین کی محبت کی بجائے دوسرے لُغِبِ العینوں کی محبت پرورش پاتی رہی ہے۔

انگریز کا نظام تعلیم ہمارے دلوں میں اسلامی تصورات کو کمزور کر کے مغربی قومیت کے تصورات کی نشوونما کرتا رہا ہے اگرچہ وہ اسلامی اختقادات کی محبت کو پوری طرح سے نہیں مٹا سکا لیکن اسکو بے حد کمزور کر گیا ہے اور اگرچہ وہ مغربی تصورات کی محبت کو پوری طرح سے غالب نہیں کر سکا لیکن اسکو بے حد طاقتور کر گیا ہے اب ہم نہ تو بچے مسلمان ہے ہیں اور نہ ہی بچے مغربی قومیت پرست نتیجہ یہ ہے کہ ہماری قومی سیرت جو اسلامی لُغِبِ العین حیات کے ماتحت ہندوؤں یا انگریزوں کی سیرت سے زیادہ بلند اور نچھتہ ہونی چاہیے تھی اب ان سے بھی نپٹ تو ہے۔ اگرچہ ہندو بھی ہماری طرح انگریزی نظام تعلیم کے زیر اثر ہے ہیں لیکن ان کے ہاں وہ صورت پیدا نہیں ہوئی جو ہمارے ہاں پیدا ہوئی ہے ہندوؤں کے ہاں مغربی قومیت پرستی کے تصورات انگریزی نظام تعلیم کی بدولت مکمل فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ ہندوؤں کے لُغِبِ العین حیات میں اسلام کی طرح کی کوئی چیز ان تصورات کے مقابلہ پر موجود نہیں تھی۔

جب مرض کی نوعیت اس کی علامات اور اس کا سبب واضح طور پر معلوم ہوں تو اس کا علاج آسان ہوتا ہے، لُغِبِ العین کی محبت کا زوال ہمارا اصل مرض ہے ہماری اخلاقی کوتاہیاں اس کی علامات ہیں، غلط اور غیر اسلامی نظام تعلیم اس کا سبب ہے۔ لہذا اس کا علاج صحیح اور اسلامی نظام تعلیم ہے۔ اب جبکہ ہم آزاد ہیں ہم اس علاج پر قدرت رکھتے ہیں اب ہم اپنے نظام تعلیم کو بدل کر اپنی قومی سیرت کو جس قدر چاہیں بلند کر سکتے ہیں اگر ہم اس علاج سے اب بھی

غافل رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بیماری اور نفاہت کو صحت اور طاقت پر ترجیح دے رہے ہیں۔

اسلامی نظام تعلیم | اسلامی نظام تعلیم سے میری مراد ایسا نظام تعلیم نہیں جس میں سے کیا مراد ہے | اسلامی نظریہ حیات و بنیات یا اسلامیات کے نام سے ایک جزو کے طور پر موجود ہو۔ بلکہ ایسا نظام تعلیم جو خود اسلامی نظریہ زندگی کا ایک جزو ہو جس کا مقصد اسلامی نظریہ زندگی کی تائید اور اخلاقیات کے سوا سب اور کچھ نہ ہو جس میں علم سے مراد اسلامی نظریہ انسان و کائنات ہو اور علم کی تینوں شاخیں یعنی مادی علوم، حیاتیاتی علوم، اور طبیعیاتی علوم اس نظریہ کی شاخیں سمجھی جائیں۔

قرآن نے اسلام کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ انسان کی فطرت ہے۔ اور انسانی فطرت کا کوئی تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ ساری کائنات کا تصور نہ ہو۔ یہی سبب ہے کہ قرآن نے ارشاد کیا ہے کہ وہ کائنات کے اسرار پر حاوی ہے

قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموات والارضین .

کہو اس کتاب کو اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمان کے بھید جانتا ہے۔

کائنات کے تین طبقے ہیں۔ ماوہ۔ حیوان اور انسان۔ انسان کے اندر یہ تینوں طبقے موجود ہیں۔ لہذا انسان چھوٹے پھیا نے پر ایک کائنات ہے اگر ہم انسان کو پوری طرح سے سمجھ لیں تو گویا ہم نے ساری کائنات کو پوری طرح سے سمجھ لیا اور انسان اور کائنات میں سے اگر ہم کائنات کو پوری طرح سے سمجھ لیں تو پھر انسان کی حقیقت بھی پوری طرح سے ہماری سمجھ میں آ جائیگی پھر انسان اور کائنات میں سے جس قدر ہمارے واقفیت ایک کے متعلق بڑھ چکی۔ دوسرے کے متعلق بھی اسی نسبت سے بڑھ چکی۔ علما کی تین شاخیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے انسان یا کائنات کے تینوں طبقوں کے علوم

میں۔

کوئی حقیقی علم یعنی کوئی سچائی یا صداقت اسلام کے خلاف نہیں جاسکتی۔ کیونکہ اسلام بھی صداقت ہے اور صداقت غیر منقسم ہے اس کی ایک سے زیادہ قسمیں یا ایک سے زیادہ حصے نہیں ہو سکتے۔ حق خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے خدا سچ ہے لہذا صداقت خود خدا کا علم ہے اور چونکہ خدا ایک ہے صداقت بھی ایک ہی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شخص کافر ہو یا مسلمان کوئی علمی صداقت ایسی دریافت نہیں کر سکتا جو اسلام کی تائید نہ کرتی ہو اور جس کی تائید اسلام نہ کرتا ہو۔ یہی سبب ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا۔

الکلمۃ المحکمۃ صالۃ المؤمن فہولہا این وجدھا ترجمہ
وہابی کی بات یعنی صداقت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں چاہے اسے ملے
لیکن کسی علمی صداقت اور اسلام کی مطابقت کی شرط یہ ہے کہ جس چیز کو ہم صداقت
کہہ رہے ہوں وہ فی الواقعہ صداقت ہو اور وقت کے گزرنے اور علم کے ترقی پانے سے
وہ اور مضبوط مستحکم اور روشن ہو رہی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کو ہم اسلام کہہ رہے
ہوں وہ فی الواقعہ اسلام ہو اور قرآن کے مطالب کے بارہ میں غلط ہماری غلط
فہمبول اور غلط فہمیوں کا دفتر نہ ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک چیز کو علمی صداقت
سمجھ لیتے ہیں اور وہ صداقت نہیں ہوتی اور ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ ہم اپنی لاعلمی سے
قرآن کی غلط تشریح کرتے ہیں یا قرآن یا اسلام سمجھ لیتے ہیں۔

علوم کو دوبارہ مدون | اس قسم کے اسلامی نظام تعلیم کی مکمل تعمیر کے لئے ضروری ہوگا
کرنے کی ضرورت | کہ ہم موجودہ انسانی اور نفسیاتی علوم پر نظر ثانی کر کے ان کو
قرآن کی روشنی میں نئے سرے سے مدون کریں۔ کیونکہ ان علوم کی صحیح تدوین کا
دار مدار فطرت انسانی کے صحیح نظریہ پر ہے جس سے مغرب کے حکماء بے خبر ہیں

چونکہ انہوں نے ان علوم کو فطرت انسانی کے غلط نظریہ پر مبنی کر رکھا ہے لہذا ان کی ساری تحقیق غلط طور پر ہوئی ہے میں نے ان کیساتھ مادی اور حیاتیاتی علوم کو شامل نہیں کیا کیونکہ ان علوم میں کسی کافر کے لئے بھی بہکنے کی گنجائش نسبتاً کم ہے تاہم جب ہم نفسیاتی علوم کی تدوین سے فارغ ہو جائیں تو ہمیں حیاتیاتی علوم پر بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ تاکہ وہ بھی صحیح اور اسلامی زاویہ نگاہ سے مدون ہو جائیں حیاتیاتی علوم پر نظر ثانی کرتے ہوئے ہمیں نظر آئے گا کہ اکثر مقامات پر حیاتیاتی عمل کی علت کو غلط علمی بصیرت سے سمجھنے میں کفار نے غلطیاں کی ہیں اور ہم اس قابل ہیں کہ خالص علمی نقطہ نگاہ سے ان غلطیوں کا ازالہ کر سکیں۔

تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ علوم کی نئی تدوین کے بغیر ہم اس قسم کا اسلامی نظام تعلیم جاری نہیں کر سکتے، بلکہ حقیقت اس کے عکس ہے اسلامی نظام تعلیم کا اجرا علوم کی نئی تدوین میں مدور کرے گا اور جب تک اسلامی نظام تعلیم جاری نہیں ہوگا ہمیں علوم کی نئی تدوین کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اس کام میں ضروری سہولتیں پیدا ہونگی۔

میرے خیال میں اسلامی نقطہ نظر سے تدوین علوم کی مہم کے آغاز کے طور پر ہماری یونیورسٹیوں کو فطرتاً ہی اس بات کا اعلان کرنا چاہیئے کہ تمام علوم جو اس میں پڑھائے جاتے ہیں اسلامی نظریہ کائنات کی شاخیں ہیں اور ہر طالب علم اور استاد کو انہیں اسی نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور پڑھنا اور پڑھانا چاہیئے اس سے ایک حیرت انگیز نفسیاتی انقلاب ہوگا۔ اور قرآن کے متعلق ہمارا جامدا و مرتجہ نقطہ نظر فوراً بدل جائیگا اور ہم قرآن کو ایک نئی روشنی صحیح روشنی میں دیکھنے لگیں گے۔ اس قسم کے اسلامی نظام تعلیم میں اسلامیات ایک الگ مضمون کے طور پر رکھنا ضروری ہوگا۔ لیکن موجودہ نظام تعلیم میں ایک الگ مضمون کے طور پر اسلامیات کا جوڑ وہ نتائج

پیدا نہیں کر سکتا جو ہمارے منظر ہیں۔ بلکہ اس سے لفظی طور پر برعکس نتائج پیدا ہوں گے کیونکہ اس سے طالب علم کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ اسلام کا علم زیادہ سے زیادہ علم کا ایک الگ شعبہ ہے جو ہر حالت میں نقل پر مبنی ہے اور اس قسم کا عقلی علم نہیں جیسا کہ اسے بعض دوسرے مضامین کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور پھر وہ اپنے اس خیال کا اطلاق اپنی عملی زندگی پر بھی کرے گا۔ اور سمجھیں گے کہ مذہب اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے اور اس کی ساری زندگی نہیں ظاہر ہے کہ اسلام اور اسلامی زندگی کے متعلق طالب علم کا یہ نقطہ نظر جو ہم اسلامیات کو یونیورسٹی کا ایک الگ مضمون قرار دینے سے پیدا کرینگے اسلامی نقطہ زندگی کی محبت کی نشوونما کے لئے سازگارا نہیں ہو گا۔ حالانکہ ہم چاہتے ہیں اور ہم اپنے نظام تعلیم کا یہ واحد مقصد اور مدعا قرار دیتے ہیں کہ طالب علم کی محبت نہ صرف نشوونما پائے۔ بلکہ نشوونما پا کر نقطہ کمال پر پہنچے۔

علمی تحقیق کا نقطہ آغاز | اس قسم کا اسلامی نظام تعلیم علمی تحقیق اور انکشاف کیلئے ایک نہایت ہی سازگار ماحول پیدا کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی تحقیق کی راہ نمائی ہمیشہ مفروضات سے ہوتی ہے جن کو ہم اپنے وجدان سے قائم کرتے ہیں ہم ایک مفروضہ لے لیتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ یہ حقائق کے ساتھ منطبق ہوتا ہے یا نہیں اور حقائق کے اندر ایک تنظیم اور وحدت پیدا کرتا ہے یا نہیں اگر وہ ایسا کرے تو ہم اسے صحیح سمجھتے ہیں اور پھر مزید حقائق کے انکشاف سے اس کی تصدیق ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر کوئی مفروضہ (Hypothesis) علمی حقائق کے ساتھ منطبق نہ ہو یا ان میں تنظیم اور وحدت پیدا نہ کر سکے۔ تو ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور دوسرے مفروضہ کی آزمائش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک ایسا مفروضہ ہاتھ آجاتا ہے جس کی صحت کے متعلق ہمیں کوئی شبہ نہیں رہتا جب تک ہمیں صحیح مفروضہ نہیں ملتا ہم حقائق

ایک غلط مفروضہ کی لڑی میں پڑے رکھتے ہیں اور ہماری تحقیق غلط رہتی ہے۔ جدید علم طبیعیات کے حقائق ایسے ہی صحیح یا غلط مفروضات پر مبنی ہیں حتیٰ کہ وہ حقائق بھی جن کی مدد سے ہم نے سالمہ کو شق کیا ہے اور جن کی صداقت سالمہ کے انشقاق سے پائیدار ثبوت کو پہنچ گئی ہے ڈارون کا مادی اور طبیعیاتی (Mechanical) نظریہ ارتقا بھی ایک ایسا ہی مفروضہ ہے جسے مغرب کے اکثر حکما نے انسانی اور حیاتیاتی علوم کی تحقیق کا نقطہ آغاز بنایا ہے چونکہ یہ مفروضہ غلط تھا اس لئے ان علوم میں مغربی حکما کی تحقیق کے سائے نتائج غلط ہو گئے ہیں اس کے برعکس اگر ہم اسلامی نظریہ کائنات کو ایک مفروضہ سمجھ کر اس مفروضہ سے ان علوم میں اپنی تحقیق کا آغاز کریں گے تو ہم صحیح نتائج پر پہنچیں گے۔ کیونکہ ہمارا مفروضہ صحیح ہو گا۔ ایک لفظ میں اسلامی نظریہ کائنات جو ہماری علمی تحقیق کا نقطہ آغاز ہو گا یہ ہے کہ خدا انسان اور کائنات کا خالق ہے اور ایک مدعا کے تحت قول کن سے غیر تبدیل قوانین کی تخلیق کرتا ہے،

لا یبدل القول لدی

ترجمہ:- میری بات بدلتی نہیں ہے۔

یہ مفروضہ ہمیں علمی تحقیق میں ان غلطیوں سے بچائے گا جن کی وجہ سے انسانی اجتماعی اور حیاتیاتی علوم میں بالخصوص حکمائے مغرب کی تحقیق مضحکہ خیز بن گئی ہے۔ خودی کائنات علم کی ابتدا اور انتہا ہے جو حکیم اپنی علمی تحقیق کا آغاز یہاں سے نہیں کرتا وہ لازماً کسی اور مفروضہ سے اس کو آغاز کرے گا۔ اور پھر چونکہ اس کی خشت اول ہی غلط ہو گی اسکی تحقیق کی دیوار اگر تریا تک بھی جائے گی تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نظام تعلیم علمی اور عقلی لحاظ سے صحیح ہو تو ضروری ہے کہ اس کی بنیاد صحیح ہو اور صحیح بنیاد اسلامی نظریہ کائنات کے سوا کچھ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ خالص واقعہ اسلامی نظریہ کائنات علم ہے اور علم کی مختلف شاخیں اسکی

مختلف شاخیں ہیں جو نظریہ کائنات بھی صحیح ہوگا وہی علم ہوگا اور علم کی مختلف شاخیں اس کی شاخیں ہوں گی۔

اس بارہ میں ہمیں روس کے کفار سے سبق لینا چاہیے۔ روسیوں کا نظریہ کائنات روس کی مثال جدلی مادیات (Dialectical Materialism) کہلاتا ہے۔ روسی جدلی مادیات کو صحیح سمجھتے ہیں اور لہذا روسیوں نے اس کو علم اور علم کی تمام شاخوں کو اس کی شاخیں قرار دیا ہے وہ توقع رکھتے ہیں کہ علم کے ہر شعبہ میں جو نئے انکشافات ہونگے وہ فلسفہ جدلی مادیات کی تائید کرینگے جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ سائنسدان پر الزام عائد کرتے ہیں کہ جدلی مادیات کے مذہب پر اس کا یقین بچتا نہیں۔ اور اس کا ضعف اعتقاد اس کے پہکنے کا موجب ہوا ہے لہذا وہ اسے قابل نفی سمجھتے ہیں اور اس کی تعزیر اکثر اوقات موت ہوتی ہے ہم سائنسدان کو تعزیر کرنے کی حد تک تو نہ جائیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے اگر کسی وقت ایک سائنسدان کی تحقیقات کے نتائج اسلام کے حق میں نہیں ہونگے تو دوسرے سائنسدان کی تحقیقات سے بالآخر اس کی غلطی کا ازالہ ہو جائیگا لیکن ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ علم و حقیقت اسلامی نظریہ کائنات کا نام ہے اور اس غلط نظریہ کائنات کا نام نہیں جسے جدلی مادیات کہا جاتا ہے اور یہ ہمارا ہی حق تھا۔ جسے وہی ناجائز طور پر کام میں لائے ہیں

وہی نہفتہ رخ و دیو در کمر مشر و ناز

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجب است !

روسی نہ صرف جدلی مادیات کو اپنے نظام تعلیم کی اساس قرار دیتے ہیں بلکہ اس فلسفہ کو اسکولوں اور کالجوں میں ایک الگ مضمون کے طور پر بھی پڑھاتے ہیں جو لازمی ہوتا ہے بلکہ وہاں کوئی شخص اس وقت تک ریاست کی غلطی لازماتوں میں نہیں لیا جاتا۔ جب تک کہ وہ ایک ایسے امتحان میں شامل ہو کر کامیاب ہو جس میں جدلی مادیات ایک لازمی مضمون ہے

جو امیدوار اس مضمون میں ناکام ہو جاتا ہے وہ سارے امتحان میں ناکام سمجھا جاتا ہے۔

(Text Book of Marxist Philosophy) مارکسی فلسفہ کی درسی کتاب

گوروس کے بڑے بڑے علماء جدلی مادیات نے مل کر مدون کیا ہے اس کے مصنفین کتاب کے دیباچہ میں فلسفہ جدلی مادیات کی تعلیم کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روسی جانتے ہیں کہ ایک انسان کا نظریہ کائنات اہمیت رکھتا ہے اور وہ لوٹ کھسوٹ اور جلب منفعت کے پیچھے ایک مثبت قوت کے طور پر موجود ہو سکتا ہے، تم سماجی مرض کا ازالہ اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی سیاسی اور صنعتی تباہی کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری نظریہ کائنات کی تردید نہ کرو اور اس کے عوض میں کوئی دوسرے نظریہ کائنات بہم نہ پہنچاؤ وہ جس نظریہ کا انکار کرتے ہیں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیا کیا منالطعات ہیں۔ اور ان کے پاس ان کا اپنا نظریہ کائنات ہوتا ہے، جو ہر چیز کو دیکھنے کے لئے انہیں دشمنی بخشتا ہے..... ایک روسی سپیڈرٹن (Chesteron) کے ساتھ متفق ہے کہ عملی نقطہ نگاہ سے ایک انسان کے بارے میں اہم ترین چیز اس کا نظریہ کائنات ہے..... تاریخ میں کوئی بڑی تحریک ایسی جاری نہیں ہوئی جو ایک فلسفیانہ تحریک تھی عظیم الشان نظریات کائنات کے وجود میں آنے کا وقت ہی عظیم الشان نتائج کے وجود میں آنے کا وقت ہوتا رہا ہے، کوئی شخص فلسفہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو شخص سمجھتا ہے، کہ وہ فلسفی نہیں وہ حقیقت ایک چھا فلسفی نہیں۔

یہی نقطہ نظر ہمیں اسلامی نظریہ کائنات کے متعلق اختیار کرنا چاہیے۔

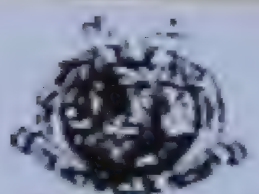
الحمد لله الذی بعزته وجلالہ تتم الصالحات

ALLAMA IQBAL UNIVERSITY LIBRARY

No. 46394

15.6.63

محکم دقت سے تصحیح فرمائی



ALLAMA IQBAL LIBRARY



جدید مطبوعات



افگریزی

آنے روپے

- ۱۔ اسلامک آئیڈیالوجی (مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے
ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی)
۲۔ فنڈیمنٹل ہیومن رائٹز (مصنفہ
(
۳۔ دی فیلپسی آف مارکسزم (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم۔ اے
پی ایچ ڈی)
۴۔ محمد دی ایجوکیٹر (مصنفہ رابرٹ گلک)
۵۔ اسلام اینڈ تھیو کریسی (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)
۶۔ ویمن ان اسلام (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)
۷۔ اسلام اینڈ کمیونزم (مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے۔
ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی)

اردو

- ۸۔ عقائد و اعمال (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)
- ۹۔ اسلام میں حریت۔ مساوات۔ اخوت (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر)۔
- ۱۰۔ اسلام اور حقوق انسانی (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر بی۔ اے)
- ۱۱۔ اسلام کا معاشی نظریہ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی ایم۔ اے)
- ۱۲۔ دین فطرت (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی ایم۔ اے)
- ۱۳۔ اسلام کی بنیادی حقیقتیں (مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم و دیگر رفقاء ادارہ)
- ۱۴۔ اسلام کا نظریہ تعلیم (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین)
- ۱۵۔ اسلام کا نظریہ اخلاق (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی ایم۔ اے)
- ۱۶۔ علم تصوف (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر بی۔ اے)

- ۱۷- مقام سنت (مصنفہ مولانا جعفر شاہ پھلواری ندوی) ۲ .
- ۱۸- خلافت اسلامیہ (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر) ۵ ۸
- ۱۹- اصول فقہ اسلامی - حدود اللہ و تعزیرات (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر) ۲ ۸
- ۲۰- اسلام کا نظریہ تاریخ (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی) ۳ .
- ۲۱- تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ اول) (مصنفہ رشید اختر ندوی) ۵ .
- ۲۲- تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ دوم) () ۶ ۸
- ۲۳- مسئلہ اجتہاد (مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی) ۲ ۸
- ۲۴- قرآن اور علم جدید (مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم۔ اے۔) ۵ ۸
- ۲۵- بیدل (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر بی۔ اے) ۶ ۸
- ۲۶- فقہ عمر (مصنفہ مولانا ابو یحییٰ امام خان) ۴ .
- ۲۷- افکار ابن خلدون (مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی) ۳ ۸
- ۲۸- ریاض السنن (مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری ندوی) ۸ .
- ۲۹- افکار غزالی (مصنفہ محمد حنیف ندوی) ۵ .
- ۳۰- مسئلہ زمین (مصنفہ پرنسپل محمود احمد صاحب ایم۔ اے) ۳ ۸
- ۳۱- الدین یسر (مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری ندوی) ۵ .
- ۳۲- طب العرب (مصنفہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی) ۶ .
- ۳۳- تہذیب و تمدن اسلامی حصہ سوم (مصنفہ رشید اختر ندوی) ۵ ۱۲
- ۳۴- حکمت رومی (مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے۔ ایل ایل بی) ۳ .
- ۳۵- مذاہب اسلامیہ (مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر) ۵ .
- ۳۶- اسلام میں حیثیت نسوان (مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی) ۳ .
- ۳۷- ازدواجی زندگی کے متعلق اہم قانونی تجاویز (مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ صاحب ندوی پھلواری) ۰ ۱۵
- ۳۸- اسلام کا فکری نظام - اردو ترجمہ اسلامک آئیڈیالوجی (از محمد قطب الدین صاحب حیدرآباد - دکن) ۳ ۸
- ۳۹- اسلام اور رواداری - از مولانا رئیس احمد صاحب جعفری - ندوی - ۳ ۸



ادارہ ثقافت اسلامیہ
کلب روڈ - لاہور



**ALLAMA
IQBAL LIBRARY**
UNIVERSITY OF KASHMIR
**HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.**